ماہ نامہ

ہمدرد نونہال

اپریل ۱۹۸۵ء

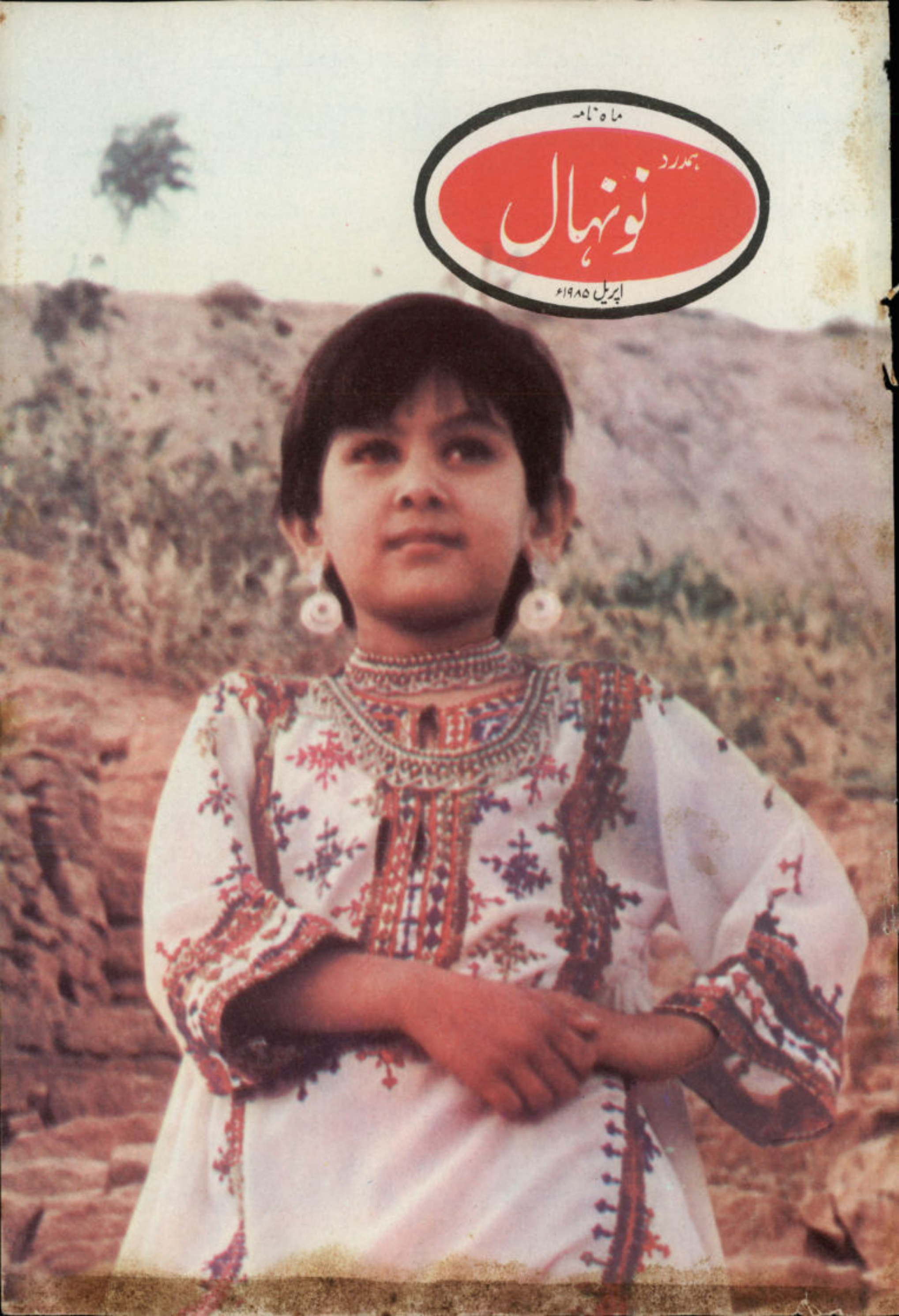

لحمیات (پروٹینز) کے وجود سے روئے زمین پر حیات ممکن ہوئی!

حیاتِ انسانی اور صحتِ جسمانی کے لئے لحمیات (پروٹینز) خوراک کا ناگزیر حصہ ہیں۔ انسان کی انفرادیت وشخصیت اور اعمال و وظائف کی تکمیل اور خیالات کی توانائی لحمیات کے بغیر ممکن نہیں۔ لحمینا چنیدہ جڑی بوٹیوں، پروٹینز، کاربوہائیڈریٹس اور دیگر غذائی اجزا کا ایک متوازن مرکب ہے۔

روزانہ کے تھکا دینے والے کام جب جسم انسانی کے کل پرزوں کو کمزور کر دیتے ہیں، تو وہ صرف پروٹینز سے دوبارہ نشوونما حاصل کرتے ہیں۔

لحمینا بجا طور پر جسم انسانی کے لئے ایک مفید اور قابلِ اعتماد غذائی معاون ہے۔

لحمینا کا روزمرہ باقاعدگی سے استعمال جسم انسانی کی نشوونما کو برقرار رکھتا ہے اور جسم میں توانائی پیدا کرتا ہے۔

خاندان کے ہر فرد کے لئے ایک مکمل غذائی ٹانک

لحمینا — برائے اسٹیمنا

ہمدرد

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

ٹیلے فون : 616001 سے 616005 (5 لائنیں)

ماہ نامہ
ہمدرد نونہال

مجلس ادارت

صدر مجلس حکیم محمد سعید
مدیر اعلا مسعود احمد برکاتی
مدیرۂ اعزازی سعدیہ راشد

رجب المرجب — ۱۴۰۵ ہجری
اپریل — ۱۹۸۵ عیسوی
جلد — ۳۲
شمارہ — ۴

قیمت فی شمارہ — ۴ رُپے
سالانہ — ۴۵ رُپے
سالانہ (رجسٹری سے) — ۸۱ رُپے

پتا:
ہمدرد نونہال
ہمدرد ڈاک خانہ
کراچی ۱۸

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

اس رسالے میں کیا کیا ہے

جاگو جگاؤ	جنابِ حکیم محمد سعید	۳
پہلی بات	مسعود احمد برکاتی	۵
خیال کے پھول	ننھے گل چیں	۶
بھاپ کا جادو	جناب حامد اللہ افسر مرحوم	۷
ہر بچہ اقبال بنے (نظم)	جناب فیض لودھیانوی	۱۳
بدلا	جناب خلیق انجم اشرفی	۱۵
کارٹون	جناب مشتاق	۱۸
تحفے	باذوق نونہال	۱۹
سرسید احمد خاں	مسعود احمد برکاتی	۲۳
دو دوست	جناب علی اسد	۲۷
شطرنج کی چالیں	جناب ساجد علی ساجد	۲۹
مجھے چاند لا دو	جناب سید نیر رضا رضوی	۳۲
چالاک خرگوش (آخری قسط)	جناب کرشن چندر	۴۲
طب کی روشنی میں	جنابِ حکیم محمد سعید	۵۱
زندگی (نظم)	محترمہ عینیہ فرح	۵۵
بوجھو تو جانیں	ادارہ	۵۶
ہمدرد انسائکلوپیڈیا	جناب علی ناصر زیدی	۵۷
نونہال مصوّر	ننھے آرٹسٹ	۶۱
صحت مند نونہال	ادارہ	۶۲
فیس کے لیے	جناب مناظر صدیقی	۶۵
معلوماتِ عامہ ۲۲۸	ادارہ	۷۵
اخبارِ نونہال	ننھے صحافی	۷۶
اس شمارے کے مشکل الفاظ	ادارہ	۷۸
مسکراتے رہو	ننھے مزاح نگار	۸۱
نونہال ادیب	ننھے لکھنے والے	۸۳
بزمِ نونہال	نونہال پڑھنے والے	۱۰۱
معلوماتِ عامہ ۲۲۶ کے جوابات	ادارہ	۱۰۷

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیثِ نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں اُن کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حُرمتی سے محفوظ رکھیں۔

اس رسالے کی تمام کہانیوں کے کردار اور واقعات فرضی ہیں۔ ان میں سے کسی کی کسی حقیقی شخص یا واقعے سے مطابقت محض اتفاقی ہو سکتی ہے، جس کے لیے ادارہ ذمے دار نہ ہوگا۔

حکیم محمد سعید پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعاتِ ہمدرد ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاگو جگاؤ

شیخی، غرور، تکبر، بڑائی، گھمنڈ، اترانا۔ کیا یہ باتیں اچھی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر سمجھ دار آدمی کہے گا کہ نہیں، یہ تو اچھی باتیں نہیں ہیں۔ ان سب الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عیب ہیں اور جس آدمی میں یہ باتیں ہوں وہ اچھا آدمی نہیں سمجھا جاتا۔ شاید وہ اچھا ہو، لیکن وہ اچھا سمجھا نہیں جائے گا۔

اچھا آدمی وہ ہے جس میں ان باتوں کے برعکس انکسار ہو، عاجزی ہو، فروتنی ہو، سادگی ہو۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ سب انسان برابر ہیں۔ سب آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کو اللہ میاں نے مٹی سے بنایا تھا، اس لیے کوئی بڑا ہے نہ چھوٹا۔ ہاں، بڑائی چھوٹائی کا فرق ہے تو وہ نسل کی وجہ سے نہیں ہے، خاندان کی وجہ سے نہیں ہے، علاقے یا ملک کی وجہ سے نہیں ہے، زبان اور رنگ کی وجہ سے نہیں ہے اور دولت کی وجہ سے بھی نہیں ہے۔ فرق اگر ہے تو اخلاق کی وجہ سے ہے۔ جس آدمی کے اخلاق اچھے ہیں وہ بڑا ہے۔ جس آدمی کے اخلاق اچھے نہیں وہ چھوٹا ہے۔ اخلاق اچھے ہونے کا تقاضا بھی یہ ہے کہ انسان اپنے کو بڑا نہ سمجھے۔ تکبر، غرور اور گھمنڈ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ آدمی اپنے کو بڑا اور دوسروں کو چھوٹا سمجھتا ہے اور ایسا سمجھنا بہت بڑی اخلاقی کمزوری ہے۔ ایسا نہ سمجھنا بہت بڑی خوبی ہے، لہٰذا جو آدمی غرور نہیں کرتا، اپنے کو بڑا نہیں سمجھتا وہی بڑا آدمی ہے۔ خوبی تو یہی ہے کہ آدمی بڑا ہو، مگر اپنے کو بڑا نہ سمجھے۔ انکسار اور عاجزی اسی کو کہتے ہیں۔

تمھارا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

ہمدرد گھٹی

بچوں کے نظامِ ہضم کے لئے ایک قدرتی دوا

چنیدہ نباتات سے صدیوں پرانے اصولوں پر تیار کردہ ہمدرد گھٹی نومولود بچوں کا پیٹ صاف کرنے کے لئے ایک قدرتی دوا ہے۔ انتہائی خوش ذائقہ ہمدرد گھٹی بچوں کو گیس، قبض اور پیٹ کی بہت سی دوسری تکلیفوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

۱۹۸۵ء کا چوتھا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے اور ہم اگلے شمارے کی تیاری میں مصروف ہیں۔

آپ سے ایک مشورہ کرنا ہے۔ سوچ سمجھ کر اپنی رائے دیجیے۔ خاص نمبر کی اُمید تو آپ نے اس بار بھی لگا رکھی ہو گی، بلکہ یقین کر رکھا ہو گا کہ اس سال بھی خاص نمبر ضرور آئے گا۔ آپ کی توقع صحیح ہے۔ اِن شاءاللہ اس بار بھی خاص نمبر دُھوم دھام سے نکلے گا، لیکن کیا اس بار بھی ستمبر ہی میں شائع ہو یا پہلے یا بعد میں؟ ہم فیصلہ آپ کے مشورے سے کرنا چاہتے ہیں۔ بعض نونہالوں کی رائے میں اگست کا مہینہ زیادہ موزوں ہے اور بعض کی رائے میں ستمبر ہی ٹھیک ہے۔ بہرحال آپ کی جو رائے بھی ہو اس سے ہمیں مطلع کیجیے۔ ایک کارڈ یا ایک کاغذ لیجیے اور اس پر لکھیے:

"میری رائے میں خاص نمبر .... مہینے میں شائع ہو تو اچھا ہے۔"

اس کارڈ یا کاغذ پر کچھ اور نہ لکھیے اور رائے بھیجنے میں دیر نہ کیجیے تاکہ ہمیں تیاری کا وقت مل سکے۔ خاص نمبر بڑی محنت لیتا ہے۔ آپ بھی تیاری کیجیے اور ابھی سے پیسے جمع کرنا شروع کر دیجیے۔

اس شمارے میں "بزمِ نونہال" کا اعلان بھی ہے۔ جناب حکیم محمد سعید صاحب چاہتے ہیں کہ ہمارے نونہال جس طرح بڑوں کی تحریریں پڑھتے ہیں اسی طرح وہ ان سے مل کر ان کی باتیں بھی سُنیں اور ان کے نقشِ قدم پر چل کر ملک و ملّت کی خدمت کریں۔

اس بار بھی بہت سے نونہالوں کے خط شامل ہونے سے رہ گئے، مگر ناراض نہ ہونا۔ میرا خیال یہ ہے کہ نونہال پڑھنے والوں کی تعداد اتنی بڑھ گئی ہے کہ نونہالوں کو چار مہینے سے پہلے خط نہیں لکھنا چاہیے۔ وہ اپنے خط یا اپنی تحریر چھپوانے کے بجائے اچھی اچھی تحریریں پڑھنے میں دل چسپی لیں۔

خیال کے پھول

حضور اکرمؐ

پیشہ ور بھکاریوں کے چہروں پر قیامت کے روز گوشت نہیں ہوگا۔ مرسلہ: این۔ ڈی جہانگیر، اسلام آباد

• حضرت علیؓ

دوسرے کا حق غصب نہ کرو، اپنا واجب حق لینے میں کوتاہی نہ کرو۔ مرسلہ: سجاد اور جعفری، لاڑکانہ

• عربی کہاوت

جس نے کوشش کی اُس نے حاصل کیا۔

مرسلہ: ناصر حسین خان، کراچی

• جالینوس

نہ زیادہ خاموشی اچھی ہے اور نہ زیادہ گویائی۔

مرسلہ، طارق محمود بٹ، دینہ

• حکیم محمد سعید

مایوسی سے بدتر کامیابی کا کوئی دشمن نہیں ہے۔

مرسلہ: سخی حسین، لالہ موسیٰ

• فرینکلن

اگر یہ چاہو کہ تمھارے مرنے کے بعد لوگ تم کو بھول نہ جائیں تو کچھ ایسی باتیں لکھو جو پڑھی جائیں یا ایسا کام کرو جو لکھنے کے قابل ہو۔

مرسلہ: سید سلیم احمد، کراچی

• نیوٹن

علم ایک بحرِ ناپید کنار ہے جس کی تہ بے شمار موتیوں سے بھری پڑی ہے اور میں اس کنارے پر ایک چھوٹے بچے کی طرح گھونگھے چُن رہا ہوں....

مرسلہ: محمد سمیع حسن، لانڈھی

• ارسطو

ناامید مت ہو، عمر گھٹ جائے گی۔

مرسلہ: محی الدین خان محی، کراچی

• شیکسپیئر

دنیا کا کوئی کام اچھا یا بُرا نہیں ہوتا حالات اسے اچھا یا بُرا بنا دیتے ہیں۔ مرسلہ: ڈائمنڈ عمانوئیل، لاہور

• چرچل

جتنی جلدی کرو گے اتنی دیر لگے گی۔

مرسلہ: محمد قیصر امام، کراچی

• روزویلٹ

جو شخص زیادہ سوچنے والا ہوتا ہے وہ سب سے زیادہ صحیح کام کرسکتا ہے۔ مرسلہ: گل اعوان نیازی، لانڈھی

• گارتھ ہنرخ

دوست بنائے نہیں جاتے تلاش کیے جاتے ہیں۔

مرسلہ: شہلا اقبال، حیدرآباد

بھاپ کا جادو

حامد اللہ افسر

اب سے سوا سو ڈیڑھ سو برس پہلے اگر تم کسی سے کہتے کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے جب بلا بیل یا گھوڑے یا کسی جانور کی مدد کے گاڑیاں ساٹھ ستّر میل فی گھنٹے کی رفتار سے چل سکیں گی اور ہزارہا آدمیوں کا بوجھ اور صدہا من کا وزن بھی اس رفتار پر کوئی اثر نہ ڈال سکے گا تو وہ تمھیں دیوانہ سمجھتا اور تمھاری بات کو ہنس کر ٹال دیتا۔ یا فرض کرو اُس وقت کا کوئی انسان اب پھر پیدا ہو جائے اور انجن کو دیکھے تو بلاشک وشبہ اُسے دیوؤں اور جنوں کی سواری سمجھے گا اور اس قدر خوف زدہ ہو گا کہ دوبارہ اس کی طرف دیکھنے کی جرات نہ کر سکے گا۔

انگلستان میں جب اوّل اوّل انجن ایجاد ہوا ہے تو وہاں کے لوگ انجن کے موجدوں کو سڑی اور دیوانہ تصوّر کرتے تھے اور اسی لیے ان غریبوں کو صدہا قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ چناں چہ ان دِنوں ریل کی پٹریاں رات کے وقت بچھائی گئی تھیں، کیوں کہ دن کے وقت آس پاس کی آبادیوں سے لوگ آجاتے تھے اور کام کرنے والوں کو مار کر بھگا دیتے تھے۔ وہ بھی کیا زمانہ تھا۔ تقریباً ۱۸۰۱ء کا ذکر ہے۔ رچرڈ ٹریوی تھک (RICHARD TRIVITHICK) جو خود بھی ایک طرح سے انجن کے موجدوں میں شمار کیا جا سکتا ہے، اندھیری رات میں ایک انجن لیے جا رہا تھا۔ راستے میں تھا ایک پُل۔ وہاں سے گزرنے والوں کو کچھ ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا۔ جب ٹیکس وصول کرنے والا اس جھونپڑی سے نکل کر آیا تو انجن کو دیکھ کر بے چارہ اس قدر خوف زدہ ہوا کہ دَم بہ خود رہ گیا۔ رچرڈ نے پوچھا، "ہمیں کتنا محصول دینا پڑے گا؟" مگر اس غریب کو ہوش کہاں تھا کہ جواب دیتا، آنکھیں پھاڑے بُت بنا کھڑا رہا۔ رچرڈ نے پھر پوچھا۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر کانپتے ہوئے ہاتھوں سے پھاٹک کھول دیا اور بولا، "محصول وحصول کچھ نہیں آپ خدا کے لیے جلدی سے گزر جائیے۔" بات یہ تھی کہ وہ

رچرڈ کو کوئی بھوت پریت سمجھا کہ دُھواں اور چنگاریاں اُڑانے والی گاڑی بھوتوں کے سوا اور کس کے پاس ہو سکتی ہے۔

تمھیں شاید یہ سُن کر تعجب ہو گا کہ ریلوے انجن کی ایجاد کا سہرا ایک نہایت غریب لڑکے کے سَر ہے۔ اس کا نام تھا جارج اسٹفنسن (GEORGE STEPHENSON) اس لڑکے کی پیدائش کا فخر سرزمینِ انگلستان کو حاصل ہے۔ جارج ۹ جون ۱۷۸۱ء کو نیو کاسل (NEW CASTLE-ON-TYNE) کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوا۔ جارج کے پانچ بہن بھائی اور تھے۔ گویا ماں باپ سمیت گھر میں آٹھ آدمی تھے۔ جارج کا باپ رابرٹ اسٹفنسن کوئلے کی ایک کان میں کام کرتا تھا اور غریب کی آمدنی اس قدر قلیل تھی کہ کسی طرح گزر نہ ہو سکتا تھا۔ سارا خاندان ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں رہتا تھا۔ وہی ان کا باورچی خانہ تھا، وہی خواب گاہ۔ غرض جس طرح ہو سکتا بے چارے روکھی سوکھی کھا کے دن گزارتے۔

تعلیم و تعلّم کا رواج اُن دِنوں نہیں تھا اور جو کچھ تھا بھی تو وہ رئیسوں اور تعلقداروں کے لڑکوں تک محدود تھا۔ غریب اپنے بچّوں کو ابتدا ہی سے محنت مزدوری میں لگا دیتے تھے کہ دو چار پیسے وہ بھی لے آئیں تو نمک مسالے کا کام تو چلے۔ جارج ذرا بڑا ہوا تو گاؤں کے دو چار اور لڑکوں کے ساتھ مویشیوں کی دیکھ بھال پر لگا دیا گیا۔ اس کے بعد ایک گھوڑے کی نگہ داشت کا کام اس کے سپرد ہوا۔ مگر ان میں سے کسی کام میں اس کا جی نہ لگا۔ جارج اَن پڑھ ضرور تھا، مگر تھا ذہین اور سمجھ دار۔ بچپن ہی سے وہ مٹّی کے انجن بناتا اور بگاڑ دیتا۔ خدا کی قدرت سے کھیل بھی کھیلا تو وہ جس نے آئندہ عمر میں اس کے نام کو آسمانِ شہرت پر پہنچا دیا۔ بالے کے پاؤں پالنے میں نظر آتے ہیں۔ ہوتے ہوتے اس کھیل کی بہ دولت انجن سے اُسے اتنی واقفیت ہو گئی کہ وہ کان سے پانی نکالنے والے انجن پر ملازم رکھ لیا گیا۔ اب اُسے اس مشین کے کل پُرزوں پر عبور حاصل کرنے کا عمدہ موقع مل گیا۔ گویا اس کی دِلی آرزو بَر آئی، لیکن اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ پانی بھاپ کیوں کر بن جاتا ہے اور پھر یہ بھاپ انجن کو حرکت میں کیوں کر لاتی ہے۔ اب اُسے خیال پیدا ہوا کہ اگر میں کچھ پڑھ لکھ لوں تو شاید یہ راز سمجھ میں آ جائے۔

مندرجہ بالا حالات سے یہ تو تمھیں معلوم ہو گیا کہ اسٹفنسن سے پہلے دُخانی انجن ایجاد

ہو چکا تھا۔ گو بالکل نامکمل اور ابتدائی حالت میں سہی۔ اصل میں ایک مدّت سے انسان اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح بھاپ سے کام لے۔ فرانس میں بھی یہ کوشش جاری تھی اور انگلستان میں بھی۔ آخر ڈارماؤتھ (DARMOUTH) کا ایک لوہار ٹامس نیو کومین (THOMAS NEWCOMEN) نامی ایک ایسا انجن بنانے میں کام یاب ہو گیا جو کان سے پانی نکالنے میں کام آتا تھا۔ ٹامس ۱۶۶۳ء میں پیدا ہوا اور ۱۷۲۹ء میں دُنیا سے سدھارا۔ زمانہ گزرتا رہا اور ٹامس کے انجن سے لوگ کام لیتے رہے۔ آخر ایک دفعہ اسی قسم کے ایک انجن میں کچھ خرابی آگئی اور وہ درستی کے لیے ایک نوجوان شخص جیمس واٹ (JAMES WATT) کے پاس بھیجا گیا۔ یہ ۱۷۶۵ء کا واقعہ ہے۔ اس وقت واٹ کی عمر ۲۹ سال تھی۔ واٹ نے انجن کی مرمّت تو کر دی، لیکن اُسے خیال پیدا ہوا کہ ٹامس والے انجن میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ بھاپ کا زیادہ حصّہ بے کار ضائع ہو جاتا ہے۔ کئی برس تک وہ اسی دُھن میں لگا رہا کہ اس خرابی کو کیوں کر دُور کیا جائے۔ آخر ۱۷۶۹ء میں اُس نے ایک انجن بنایا جو ٹامس کے انجن سے بہت زیادہ کام یاب رہا۔ مضبوط بھی تھا اور بہت سی بھاپ بھی ضائع نہ جاتی تھی۔ واٹ کا انجن بھی کان سے پانی نکالنے کے کام میں آتا تھا اور وہ متحرک نہ تھا۔ اس کے بعد ولیم مُرڈاک (WILLIAM MURDOCK) نے جو گیس کا موجد ہے۔ ایک ایسا انجن تیار کیا، جو پہیّوں پر چلتا تھا اور رچرڈ ٹریوی تھک نے اُسے اور ترقّی دی یہاں تک کہ وہ سڑک پر چلنے لگا۔ رچرڈ ۱۷۷۱ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۳۳ء میں انتقال کیا۔ اُس کا انجن ۱۸۰۱ء میں تیار ہوا تھا۔

جن دِنوں رچرڈ ٹریوی تھک کا انجن تیار ہوا۔ جارج اسٹفنسن کی عمر ۱۹ سال تھی اور اس وقت اُسے ۱۲ شلنگ فی ہفتہ تنخواہ ملتی تھی، لیکن بے چارہ تھا ابھی تک جاہل۔ آخر اُس نے ارادہ کر لیا کہ جس طرح مجھ سے ہو سکے گا پڑھنا لکھنا سیکھوں گا۔ چناں چہ صبح سے شام تک وہ انجن پر کام کرتا اور رات کو ایک مدرسے میں جا کر سبق پڑھتا۔ آدمی تھا ذہین اور محنتی۔ تھوڑی ہی مدّت میں اچھا خاصا پڑھ گیا۔ جب اس قابل ہو گیا کہ عبارت اچھی طرح سمجھ میں آجائے تو اس نے بھاپ اور اس سے کام لینے کے متعلق کتابیں پڑھنا شروع کیں۔ اس کا سارا وقت اسی میں صَرف ہوتا۔ دن بھر انجن میں لگا رہتا۔ رات کو کتابوں سے سر مارتا اور اِن

دونوں کاموں سے جو تھوڑا بہت وقت ملتا وہ جوتے گانٹھنے میں صرف کرتا۔ جوتے اُس نے اس لیے گانٹھنے شروع کیے تھے کہ آمدنی میں کچھ اضافہ ہو جائے۔ رفتہ رفتہ اس نے شادی کرلی اور ایک چھوٹا سا مکان لے لیا۔ خدا نے ایک بچّہ بھی دے دیا، لیکن کچھ عرصے بعد ہی اس کی بیوی کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد وہ اسکاٹ لینڈ میں چلا گیا اور ماؤنٹ روز تک سارا راستہ پیدل طے کیا۔ بچّے کو ساتھ نہ لے گیا تھا۔ اسکاٹ لینڈ میں جی نہ لگا۔ آخر پھر وہ واپس آیا اور جانتے ہو واپس کس طرح آیا؟ وہ شخص جس نے نسلِ انسانی کے لیے ریلوے جیسی مفید سواری ایجاد کی، اسکاٹ لینڈ سے انگلستان تک پیادہ پا گیا اور آیا۔

اسکاٹ لینڈ سے واپس آکر اس نے کِیلنگ ورتھ (KILLINGWORTH) کی کان میں ملازمت کر لی۔ اس کان میں جس انجن سے کام لیا جا رہا تھا وہ بہت معمولی تھا اور ایک سال تک کام لینے کے بعد بھی کان پانی سے بھری ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر اسٹفنسن نے کہا کہ میں ایک ہفتے میں اس کان کو خشک کر سکتا ہوں۔ کان کے مہتمم اور کارکن اس کی بات پر ہنس پڑے۔ انھوں نے سوچا کہ اچھے اچھے کار کردہ اور تجربے کار آدمی جو کام نہ کر سکے وہ بھلا اس سے کیوں کر ہو سکے گا، مگر جب اس نے زیادہ زور دیا تو انھوں نے اجازت دے دی۔ اسٹفنسن نے انجن کے سارے کل پُرزے علاحدہ کر دیے اور دو ایک پُرزے بدل کر انجن کو دوبارہ تیار کیا۔ صرف دو روز میں سارا پانی کھینچ ڈالا۔ جارج اسٹفنسن کے اس کارنامے سے کان کے منتظم بہت خوش ہوئے اور انھوں نے اُسے پندرہ سو رُپے سالانہ پر کان کا چیف انجینیر مقرر کر دیا۔

اس کے بعد جارج نے پانچ انجن اور بنائے، جن میں سے ہر ایک ۴۲ من وزن کھینچ سکتا تھا۔ اب اس کی شہرت ہو چلی۔ اسی دوران میں ایک شخص ایڈورڈ پیز (EDWARD PEASE) نامی نے ارادہ کیا کہ اسٹاکٹن (STOCKTON) سے ڈارلنگٹن (DARLINGTON) تک ریل کی سڑک بنائی جائے۔ اس نے سوچا یہ تھا کہ اس سڑک پر ریل گاڑی کو گھوڑوں کی مدد سے چلایا جائے گا، لیکن اسٹفنسن نے اسے رائے دی کہ انجن سے کام لیا جائے اور یہ بھی کہا کہ میں آپ کے لیے انجن تیار کر دوں گا۔ مسٹر پیز نے اس کی تجویز منظور کر لی۔ اب جارج نے کان کی ملازمت ترک کر دی اور انجن سازی کا ایک کارخانہ کھول لیا۔ اسی کارخانے میں ریل گاڑی چلانے کے

لیے پہلا انجن ۲۷ ستمبر ۱۸۲۵ء کو تیار ہوا۔ ہزاروں آدمی اسٹاکٹن میں ریل کی روانگی کا تماشا دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے، لیکن کام یابی کی امید کسی کو نہ تھی۔ سب جارج کو دیوانہ اور اس کے انجن کو ایک سعی رائگاں تصوّر کرتے تھے۔ اس ریل میں سات درجے تھے۔ چھے میں کوئلا اور آٹا لادا گیا اور ایک میں مسافر سوار ہوئے۔ گاڑی روانہ ہوئی۔ بچّوں نے شور مچایا، تماشائی ہنسے۔ جارج خود انجن چلا رہا تھا۔ ایک شخص انجن کے آگے گھوڑے پر سوار تھا اور ایک بڑا سا جھنڈا ہلاتا جاتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ریل اس سے آگے نہ نکل سکے گی، لیکن تھوڑی دُور چلنے کے بعد جارج نے اُسے سامنے سے ہٹا دیا اور انجن کو پندرہ میل فی گھنٹے کے حساب سے چلانا شروع کیا، حال آنکہ وزن کسی طرح نوّے ٹن سے کم نہ تھا۔ آخر گاڑی بِلا کسی حادثے کے ڈارلنگٹن پہنچ گئی۔ کوئلا اُتار دیا گیا اور صرف مسافروں کو لے کر گاڑی اسٹاکٹن کو واپس ہوئی۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا چھے سو آدمی ریل میں سوار ہو کر آئے تھے۔

تاریخ عالم میں یہ پہلا موقع تھا کہ ایک دُخانی انجن مسافروں سے بھری ہوئی ریل کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے گیا۔ اس کے بعد حسبِ توقع اسٹفنسن کا نام آسمانِ شہرت پر آفتاب بن کر جلوہ نما ہوا۔ ہر گھر میں اسی کا چرچا تھا۔ ہر زبان پر اسی کا نام تھا، لیکن ابھی تک انجن کا ڈر لوگوں کے دلوں سے نہیں نکلا تھا، چناں چہ اُنھی دِنوں تجارت میں سہولت پیدا کرنے کے لیے مانچسٹر (MANCHESTER) اور لیور پول (LIVERPOOL) کے درمیان ریلوے بنانے کی تجویز ہوئی۔ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے پارلیمنٹ کی منظوری ضروری تھی۔

پارلیمنٹ میں جب یہ مسئلہ پیش ہوا تو سخت مخالفت کی گئی۔ اراکینِ پارلیمنٹ نے کہا کہ انجن پھٹ جائیں گے اور گاڑیاں اور مسافروں کو تباہ کر دیں گے اور اگر یہ بھی نہ ہوا تو آس پاس کی آبادیوں اور کھیتوں کا ستیاناس ہو جائے گا اور ان کا دھواں ہوا کو مسمُوم کر دے گا اور مویشی اور انسان زندہ نہ رہ سکیں گے اور پرندے جب ریل کے اوپر سے اُڑتے ہوئے گزریں گے تو مَر مَر کر گر جائیں گے، لیکن اس مخالفت کے باوجود پارلیمنٹ میں تجویز منظور ہو گئی۔ اس ریلوے کو کام یاب بنانے کے لیے کمپنی کے ڈائرکٹروں نے اشتہار دیا کہ جو شخص سب سے اچھا انجن بنائے گا اُسے پانچ سو پونڈ انعام دیا جائے گا۔ ایک مقررہ تاریخ پر انجنوں کا امتحان ہوا۔ جارج نے بھی اپنے بیٹے کی مدد سے ایک انجن تیار کیا تھا۔ دوسرے

لوگوں کے انجن یا تو راہ میں ٹوٹ گئے یا زیادہ تیز نہ چل سکے، لیکن جارج کا انجن سب سے بہتر رہا۔ وہ ۱۳ ٹن وزن لے کر ۲۹ میل فی گھنٹے کی رفتار سے چلا، چناں چہ یہ انعام جارج کو ملا۔ اس کے بعد سے جارج اسٹفنسن کی شہرت برابر بڑھتی رہی اور انگلستان کے ہر حصے میں اس کے بنائے ہوئے انجن چلنے لگے۔ امیروں نے اس سے مشورے کیے، غیر ممالک کے بادشاہوں نے اُسے دعوتیں دیں اور ہر ریلوے لائن پر اُسے بغیر ٹکرٹ سفر کرنے کا اختیار دیا گیا۔

۱۸۴۸ء میں اسٹفنسن دُنیا سے رخصت ہوا۔ اُس نے ثابت کر دیا کہ محنت اور استقلال سے انسان کیا کیا کارہائے نمایاں انجام دے سکتا ہے۔ وہ ایک معمولی مزدور کی حیثیت سے ترقی کر کے ملک کے معزز ترین افراد کی صفِ اوّل میں آگیا۔ غُربت اور تہی دستی کی پستی سے دولت اور ثروت کی بلندی پر پہنچا اور یہ سب کچھ استقلال کے ساتھ محنت کا نتیجہ تھا اور یہی چیز کام یابی کا راز ہے۔

الگ، الگ

بعض نونہال اپنے مضامین، کہانیاں، لطیفے، سوالات، خیال کے پھول، خبریں اور خط وغیرہ ایک ہی صفحے پر لکھ کر بھیج دیتے ہیں۔ اس طریقے سے ان کی چیزیں شائع نہیں ہو سکتیں اور ان کو الگ الگ کرنا مشکل ہوتا ہے، اس لیے ہر چیز کو الگ کاغذ پر لکھنا چاہیے اور اس پر اپنا نام اور پتا بھی صاف لکھنا چاہیے تاکہ ہم ان کو علاحدہ علاحدہ فائلوں میں رکھ سکیں اور نمبر آنے پر شائع کر سکیں۔ ایک بچے نے خط لکھا اور اُسی کے پیچھے لطیفہ بھی لکھ دیا۔ وہ لطیفہ چھپ سکتا تھا، لیکن علاحدہ کاغذ پر نہ لکھا ہونے کی وجہ سے شائع نہ ہو سکا اس لیے آپ جتنی چیزیں لکھیں الگ الگ کاغذوں پر لکھیں۔ ہاں ان کو ایک ہی لفافے میں رکھ کر بھیج سکتے ہیں، یعنی ہر چیز کے لیے علاحدہ لفافہ بھیجنا ضروری نہیں ہے۔

ہر بچّہ اقبال بنے

فیض لودھیانوی

عِلم ہے طاقت، عِلم ہے دولت — عِلم ہے عزّت، عِلم ہے عظمت
عِلم سے مالا مال بنو تم — اے بچّو، اقبال بنو تم
سب سے آگے بڑھنا سیکھو — لکھنا سیکھو، پڑھنا سیکھو
مت علمی کنگال بنو — اے بچّو، اقبال بنو تم
عِلم سے دامن بھرتے جاؤ — بی۔اے، ایم۔اے کرتے جاؤ
لائق تر ہر سال بنو تم — اے بچّو، اقبال بنو تم
محنت سے اقبال بنا تھا — اپنے وطن کا لال بنا تھا
اپنے وطن کے لال بنو تم — اے بچّو، اقبال بنو تم
دنیا ہے اقبال کی شیدا — اُس کے خوش اعمال کی شیدا
ویسے خوش اعمال بنو تم — اے بچّو، اقبال بنو تم
ماضی کے افسانے چھوڑو — اب رشتہ اقبال سے جوڑو
مستقبل کا حال بنو تم — اے بچّو، اقبال بنو تم
اُس کی پیاری نظمیں پڑھ کر — دانائی کے بام پہ چڑھ کر
قابلِ رشکِ اطفال بنو تم — اے بچّو، اقبال بنو تم
کتنا اچھا کام ہے اُس کا — جاں بازی پیغام ہے اُس کا
مظلوموں کی ڈھال بنو تم — اے بچّو، اقبال بنو تم
دِل سے مانو فیض کا کہنا — کاہل بن کر رنج نہ سہنا

وقت ہے مچھلی، جال بنو تم
اے بچّو، اقبال بنو تم

ایک اور یادگار تحفہ

جنوری ۸۵ء کے شمارے کے ساتھ "ہمدرد آٹو گراف بک" کا تحفہ سب نونہالوں کو پسند آیا اور بہت پسند آیا۔ آپ کو خوشی ہوئی اور ہمیں اطمینان ہوا۔ اب ایک اور خوش خبری سُنیے۔

مئی ۸۵ء کا شمارہ بھی خالی نہیں ہو گا۔ اس کے ساتھ بھی آپ کو ایک خوب صورت اور کار آمد تحفہ ملے گا۔ یہ تحفہ بارہ کارڈ ہوں گے، تصویروں والے کارڈ۔ بتائیے کس کی تصویریں ہوں گی۔ اپنے محسنوں کی۔ ہم آج جس آزادی کی نعمت سے مالا مال ہیں، وہ جن بزرگوں نے ہمیں عطا کی، وہی ہمارے محسن اور رہنما ہیں۔ ان بزرگوں کو اگر ہم یاد نہ رکھیں تو یہ ہماری احسان فراموشی ہو گی۔ یہ ہمارے قومی ہیرو ہیں۔ ان میں سے بارہ رہنماؤں کی تصویروں کا ایک حسین سیٹ ان شاء اللہ ہمدرد نونہال مئی ۸۵ء کے ساتھ آپ کو ملے گا۔ ان بزرگوں کی خدمات بھی چند لفظوں میں کارڈوں پر لکھی ہوں گی۔

یہ تحفہ ہمدرد کی جانب سے ہو گا اور اس خوشی میں دیا جائے گا کہ آپ کو پڑھنے کا شوق ہے۔ یہ گویا اچھے پڑھنے والوں کے لیے تعلیمی تحفہ ہو گا۔ مقصد یہ ہے کہ آپ اپنے محسنوں کو پہچانیں، سمجھیں، یاد رکھیں اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ان کے بارے میں اور زیادہ معلومات حاصل کریں۔ جب معلومات خوب حاصل ہو جائیں گی تو آپ اُن جیسے بننے کی کوشش کریں گے۔ انھوں نے ہمیں آزادی دلائی، آپ اس آزادی کو قائم رکھیں اور پاکستان کو بہترین ملک بنائیں۔ پہلے پاکستان کے لیے سوچیں پھر اپنے لیے سوچیں۔

ہمدرد نونہال کا یہی پیغام ہے اور اسی لیے یہ یادگار تحفہ آپ کو پیش کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔ جناب حکیم محمد سعید کا یہ مقولہ یاد رکھیے:

پاکستان سے محبّت کرو   پاکستان کی تعمیر کرو

بدلا

خلیق انجم اشرفی

جاڑے کے دن تھے اور رات کا وقت۔ ہم لوگ لحافوں میں سکڑے سمٹے پڑے تھے۔ اسٹوو پر چائے کا پانی سنسنا رہا تھا اور رعنا ابّا جان سے کہانی سنانے کی ضد کر رہی تھی۔

آخر ابّا جان کو اس کی ضد کے آگے ہار ماننی ہی پڑی۔ گرم گرم چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے انھوں نے کہنا شروع کیا:

"اچھا تو لو بیٹی، آج ایک سچّی کہانی سنو، بالکل آنکھوں دیکھی۔"

اتنا سُن کر ہم لوگوں کا اشتیاق بڑھ گیا اور ہم سب پوری طرح ابّا جان کی طرف متوجّہ ہو گئے۔ وہ تھوڑی دیر رُک کر کہنے لگے:

"جیسا کہ تم لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہے، میں بھی دوسری جنگِ عظیم میں شرکت کر چکا ہوں۔ اُن دِنوں ہماری فوج مصر میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھی۔ ایک دن جرمن سپاہیوں سے مقابلے میں زخمی ہونے کے بعد مجھے مصر کے فوجی ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا۔ ان دِنوں فوجی ہسپتال زخمیوں اور بیماروں سے بھرے رہتے تھے۔ میں جس کمرے میں تھا اُس میں میرے علاوہ تین مریض اور بھی تھے۔ میرے بستر کے پاس ہی ایک انگریز فوجی افسر البرٹ کا بستر تھا۔ اسے دمے کا مرض تھا۔ دمے کی اس تکلیف کی وجہ سے اور کچھ اپنی سخت مزاجی کی وجہ سے وہ بہت چڑچڑا ہو گیا تھا۔ ہماری تیمار دار ایک ہنس مُکھ نرس جوزیفائن تھی۔ غصّے میں تو اُسے کبھی دیکھا ہی نہیں۔ ہر وقت فرشتوں جیسی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھیلتی رہتی۔ وہ صرف اپنی ڈیوٹی ہی پوری نہیں کرتی تھی بلکہ مریضوں کو لطیفے اور دل چسپ واقعات سُنا کر ان کے مرض کی تکلیف اور دُکھ کے احساس کو بھی کم کرنے کی کوشش کرتی۔ تمام مریض اس سے بے حد خوش تھے۔ ناخوش تھا تو وہ فوجی افسر البرٹ جو ہر ایک سے غصّے میں چیخ کر بات کرنے کا عادی ہو چکا تھا۔ وہ بات بات پر جوزیفائن کو جھڑک دیا کرتا، مگر اس خوش اخلاق نرس کے ماتھے پر بَل نہ آتا۔ وہ اس کی اور خدمت کرتی، کیوں کہ وہ اس کے چڑچڑے پن کی وجہ سے واقف تھی۔ میرا زخم بہت معمولی تھا۔ میں جلد ہی اچھا ہو گیا۔ جس دن مجھے چھٹّی ملنی تھی جوزیفائن صبح سے مزدوری خانہ پُری میں مصروف تھی۔ البرٹ نے اسے دو دفعہ پکارا، مگر وہ اپنے کام میں اتنی کھوئی ہوئی تھی کہ اس کی بات نہ سُن سکی۔ یہ دیکھ کر البرٹ جھنجھلا گیا اور چیخ کر بولا،" بہری ہو گئی ہے کیا؟"

جوزیفائن چونک کر مڑی اور پھر جلدی سے دوڑ کر البرٹ کے پاس پہنچی اور بڑی نرمی سے پوچھا،"کیا چاہیے مسٹر البرٹ؟"

"ہوں کیا چاہیے!" البرٹ غصّے میں اسی کے الفاظ دہراتا ہوا بولا،" اتنی دیر سے چیخ رہا ہوں اور تُو ہے کہ سنتی ہی نہیں۔" نرس کو اس کی اس بدتمیزی پر بھی غصّہ نہ آیا، مسکرا کر بولی:

"اوہ مسٹر البرٹ! میں ذرا کام کر رہی تھی۔"

اس کی مسکراہٹ پر البرٹ بھڑک اُٹھا اور اچانک نیچے رکھا ہوا شیشے کا اُگل دان اُٹھا کر اس کے منھ پر دے مارا۔

"بے چاری نرس۔" رعنا بولی۔

"بھئی بولو مت، اس طرح کہانی کا مزہ کرکرا ہو جاتا ہے۔" میں نے اسے منع کیا اور اباجان کی طرف متوجّہ ہو کر بولا "پھر کیا ہوا؟"

"پھر جیسے رعنا نے کہا، بے چاری نرس کا سارا چہرہ خون اور تھوک سے تر ہو گیا۔ شیشے کے لگنے سے پیشانی پر بڑا سا زخم ہو گیا اور اس سے خون بہ بہ کر اُس کے چہرے کو بھگونے لگا۔ یہ واقعہ کچھ ایسے اچانک پیش آیا کہ میں کچھ نہ کر سکا۔ یہ دیکھ کر میں نے سوچا کہ اب یا تو جوزیفائن البرٹ کو غصّے میں کچھ کھینچ مارے گی ورنہ ڈاکٹر سے شکایت کر کے اس کو کچھ سزا تو ضرور دلوائے گی، مگر اس وقت میری حیرت کی کچھ انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ جوزیفائن کے چہرے پر ایک شکن نمودار ہونے کے بعد پھر وہی فرشتوں جیسی مسکراہٹ آگئی اور وہ مسکرا کر بولی، "ارے مسٹر البرٹ! آپ تو خفا ہو گئے۔ چلیے زیادہ غصّہ نہ کیجیے ورنہ آپ کو پھر کھانسی کا دورہ پڑ جائے گا۔"

یہ کہہ کر وہ مسکراتی ہوئی غالباً منھ دھونے اور زخم کی ڈریسنگ کرنے چلی گئی۔ میں دم بہ خود بستر پر بیٹھا جوزیفائن کے کردار کی بلندی پر غور کر رہا تھا اور البرٹ بالکل ہکّا بکّا سا چھت کو تکے جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جب جوزیفائن سر پر سفید پٹّی باندھے کمرے میں داخل ہوئی تو البرٹ اچانک بستر سے اُتر کر جوزیفائن کے قدموں پر گر پڑا اور رو کر کہنے لگا "سسٹر مجھے معاف کر دیں میں غصّے میں اندھا ہو گیا تھا۔ تم بہت بلند ہو سسٹر اور میں بہت بدتمیز آدمی ہوں۔ مجھے معاف کر دو سسٹر۔"

جوزیفائن کے چہرے پر پھر وہی فرشتوں جیسی مسکراہٹ آگئی جیسے وہ اپنی انسانیت اور انتقام کے بدلے معاف کر دینے پر نازاں ہو، جیسے وہ انسانیت کی اس جیت پر بہت خوش ہو۔ اس نے آہستگی سے البرٹ کو شانوں سے اُٹھا کر کھڑا کر دیا اور بڑے نرم لہجے میں بولی، "میں نے تمھیں معاف کر دیا میرے بھائی۔" یہ سُن کر البرٹ کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آگئی اور میں اس منظر سے متاثر ہو کر کھڑکی سے پارک میں کھیلتے ہوئے معصوم بچّوں کو دیکھنے لگا جن کے چہروں پر فرشتوں جیسا بھولا پن تھا اور جن کے ہونٹوں پر جوزیفائن جیسی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔"

اتنا کہہ کر اباجان نے ایک لمبی سانس لی اور دوسری طرف کروٹ بدل لی۔ ہم لحافوں میں دُبکے جوزیفائن کے کردار کی بلندی پر غور کر رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ ہمارے ساتھ ایسا واقعہ پیش آئے تو ہم کیا کریں گے؟ بدلا لینا پسند کریں گے یا معاف کر دیں گے۔

"ارے منّے، تمھارا چھوٹا بھائی اتنی دیر سے کیوں رو رہا ہے؟"
"وہ بسکٹ کا پیکٹ مانگ رہا ہے، آپ کام کرتی رہیں، میں خالی کر کے ابھی دیتا ہوں۔"

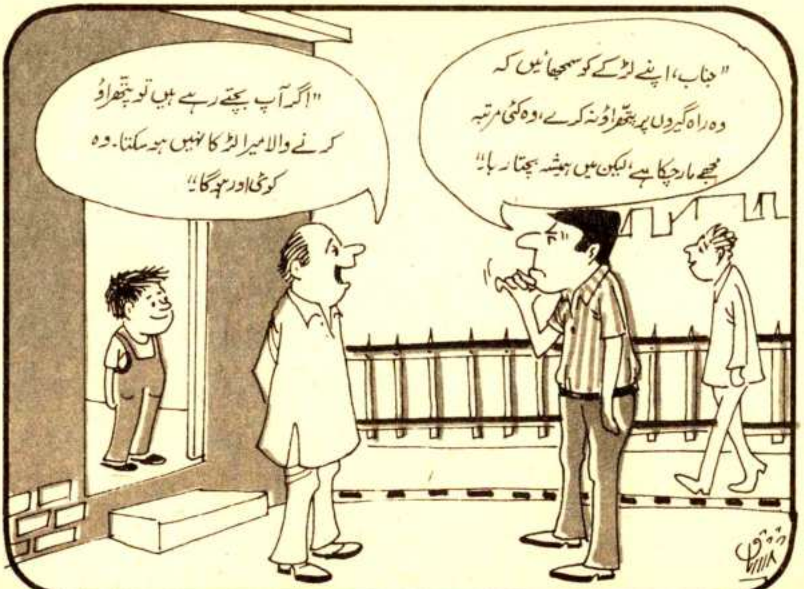
"جناب، اپنے لڑکے کو سمجھائیں کہ وہ راہ گیروں پر پتھراؤ نہ کرے، وہ کئی مرتبہ مجھے مار چکا ہے، لیکن میں ہمیشہ بچتا رہا۔"
"اگر آپ بچتے رہے ہیں تو پتھراؤ کرنے والا میرا لڑکا نہیں ہو سکتا۔ وہ کوئی اور ہوگا۔"

تحفے

مُسکراتے جُملے — عظیم اقوال — انوکھے نکتے — دل چسپ تحریریں

جہالت اور تعصّب

مرسلہ: نجیب اشرف، سکھر

تعصّب، تنگ نظری اور جہالت تمام خرابیوں کی جڑ ہے اور درست علاج علم پھیلا کر جہالت کا خاتمہ کرنا ہے۔ خود غرضی، تعصّب اور تنگ نظری کی خرابی جہالت ہی سے پیدا ہوتی ہے، بلکہ اس بات کو واضح طور پر یوں سمجھیے کہ علم کہتے ہی ہیں خود غرضی، تعصّب اور تنگ نظری کو مٹا دینے کو اور ذہنوں کو محبّت، اخلاص اور ایثار کی روشنی سے معمور کر دینے کو۔ علم دولت کے لالچ، اور اس لالچ کے پیچھے اپنے آپ کو رُسوا کرنے کا نام نہیں ہے، جس میں جہالت کی وجہ سے آج ہماری پوری قوم مبتلا ہے۔ پروفیسر انجم اعظمی

عِلم و دولت

عروج فاطمہ، حیدر آباد

- دولت فرعون کا ورثہ ہے اور علم انبیا کا عطیہ۔
- دولت کی حفاظت تم کرتے ہو اور علم تمھاری حفاظت کرتا ہے۔
- دولت بانٹی جائے تو کم ہوتی ہے، علم بانٹا جائے تو بڑھتا ہے۔
- دولت مند کنجوسی کی طرف مائل ہوتا ہے اور عالم فیاضی کی طرف۔
- دولت چُرائی جا سکتی ہے، علم چرایا نہیں جا سکتا۔
- دولت محدود ہے علم لامحدود۔
- دولت سے دل و دماغ پر سیاہی چھا جاتی ہے جب کہ علم سے دِل و دماغ جِلا پاتے ہیں۔

اللہ کی رحمت

مرسلہ: کوثر نظامی، سعود آباد

ایک دفعہ مُلّا نصر الدین کھڑکی میں کھڑے تھے۔ بارش ہو رہی تھی۔ ایک شخص گلی میں دوڑتا ہوا جا رہا تھا۔ ملّا نصر الدین نے وہیں سے آواز لگائی، "میاں، کیا اللہ کی رحمت سے ڈرتے ہو جو بھاگ رہے ہو؟" وہ شخص بڑا شرمندہ ہوا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ایک دفعہ وہ شخص اپنی کھڑکی میں کھڑا تھا اور بارش ہو رہی تھی کہ اس نے دیکھا، مُلّا نصر الدین بھاگے جا رہے ہیں۔ اس شخص نے آواز لگائی، "مُلّا جی کیوں بھاگ رہے ہو، کیا اللہ کی رحمت سے ڈرتے ہو" مُلّا جی نے کہا، "نہیں ڈرتا نہیں ہوں بلکہ اس لیے دوڑ رہا ہوں کہ

اللہ کی رحمت میرے پاؤں کے نیچے آ رہی ہے۔"

دعا

مرسلہ: وقار علی، کراچی

انسان کی دعا کبھی رائگاں نہیں جاتی۔ دعا قبول ہونے کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ بندہ جس چیز کا طالب ہوتا ہے وہ اُسے مل جاتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مناسب نہیں سمجھتا کہ اس کو وہ مطلوبہ چیز دی جائے تو اس کے بدلے کوئی اور نعمت عطا کر دی جاتی ہے یا اس دعا کے بدلے آنے والی بلا کو ٹال دیا جاتا ہے۔ اس لیے دعا کو کبھی رائگاں نہیں سمجھنا چاہیے۔

ماڈرن محاورے

مرسلہ: عظمیٰ منصور عالم، کراچی

- دوست وہ ہے جو امتحان میں کام آئے۔
- تھرڈ ڈویژن پاس نہ گھر کا نہ دفتر کا۔
- سائنس سے گرا، آرٹس میں اٹکا۔
- طالبِ علم کی ماں کب تک خیر منائے گی۔
- اساتذہ کو دیکھ کر اسٹوڈنٹ رنگ پکڑتا ہے۔

عظیم چھچھوندر

مرسلہ: محمد وجاہت اللہ خان وسیم

ایک چھچھوندر کی اکلوتی خوب صورت بیٹی تھی۔ اس نے تمام چھچھوندروں کو اپنے پاس بُلا کر کہا: "میں اپنی بیٹی کی شادی جاپان کے سب سے عظیم شخص سے کروں گا۔"

"جاپان میں سورج بہت عظیم ہوتا ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"تو میں اس کی شادی سورج سے کروں گا۔"

"لیکن آسمان سورج سے زیادہ اونچا ہے، آسمان سب سے عظیم ہے۔" دوسرے چھچھوندر نے کہا۔

"تو میں اس کی شادی آسمان سے کروں گا۔"

"لیکن بعض دفعہ آسمان بادل سے چھپ جاتا ہے، اس لیے بادل سب سے عظیم چیز ہے۔"

"تو پھر میں اس کی شادی بادل سے کروں گا۔"

"نہیں، یہ تو کوئی بات نہ ہوئی، چاہے کتنے بھی بادل ہوں ہوا انھیں لے جاسکتی ہے۔ اس لیے ہوا عظیم ہے۔"

"تو پھر میں اس کی شادی ہوا سے کروں گا۔"

"لیکن کسی کو نہیں معلوم ہوا کتنی چلتی ہے؟ دریا کا کنارہ حرکت نہیں کر سکتا، اس لیے جاپان میں سب سے عظیم چیز دریا کا کنارہ ہے۔"

"لیکن دریا کے کنارے اتنے طاقت ور نہیں ہوتے، کیوں کہ چھچھوندر اس میں سوراخ کر سکتے ہیں۔ اس لیے جاپان میں سب سے عظیم چیز چھچھوندر ہے۔"

"بس تو میں اس کی شادی چھچھوندر سے کروں گا۔"

اور اس طرح ایک چھچھوندر کی بیٹی کی شادی ایک چھچھوندر سے ہی ہوئی۔

سیب اور نیوٹن

مرسلہ: ریشماں امیر غوری، کراچی

سنا ہے کہ برطانوی پاؤنڈ چھوٹا ہونے والا ہے۔ وہ نہ صرف چھوٹا ہوگا، بلکہ اس کے ایک طرف برطانوی سائنس داں آئزک نیوٹن کی تصویر بھی ہوا کرے گی، جس نے کششِ ثقل دریافت کی۔ بے چارہ ایک دن باغ میں بیٹھا الکسا رہا تھا کہ ایک سیب درخت سے ٹوٹ کر سامنے آن گرا۔ ہم آپ کی طرح کا آدمی ہوتا تو، ادھر اُدھر دیکھ کر کہ مالی تو نہیں دیکھ رہا دو چار وہیں کھا لیتا یا جیب میں اُڑس لیتا، کیوں کہ اس زمانے میں تو ان کے چوغے ایسے ہوتے تھے کہ بہ آسانی ہر جیب میں درجن بھر سیب سما سکتے تھے، لیکن اس بھلے مانس نے اس پر غور کرنا شروع کیا کہ سیب گرا کیوں، اگر ٹوٹا تھا تو آسمان کی طرف کیوں نہ چلا گیا، زمین پر کیوں آ کے گرا۔ سوچتے سوچتے اس نے کششِ ثقل دریافت کر لی۔ یہ کتابوں میں لکھا ہے۔ ٹھیک ہی لکھا ہوگا۔ ویسے ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ کیسے دریافت کر لی اور اس کا کیا فائدہ ہوا اور اگر سیب کے بجائے آڑو گرا ہوتا تو موصوف کون سی کشش دریافت کرتے۔ خدا شہرت بھی تو لوگوں کو چھپر پھاڑ کر دیتا ہے۔ اگر وہ سیبوں کا موسم نہ ہوتا تو آج آئزک نیوٹن کا نام کوئی نہیں جانتا۔

—— ابنِ انشا

وقت کہاں ہے

مرسلہ: عرفان احمد میمن، کراچی

غور کرو اس دنیا میں ہمیں زندگی بسر کرنے کی جو مدّت ملتی ہے اُس کی حقیقت کیا ہے۔ فرض کرو ایک شخص ۶۰ سال زندہ رہتا ہے، تو ۲۰ سال اس کے سونے میں گزر رہے، پندرہ سال بچپن کے کھیل کُود کی نذر ہو گئے۔ اب جو وقت بچا وہ ہمارے کھانے پینے میں خرچ ہوتا ہے تو حیاتِ ابدی کے حاصل کرنے کے لیے ہمارے پاس وقت کہاں ہے؟ اس لیے ان قیمتی لمحات کو ضائع نہیں کرنا چاہیے اور ان کی اہمیت کو محسوس کرنا چاہیے۔ —— علامہ ابن جوزی

تین ٹکٹ اور ایک پاس

مرسلہ: محمد انیس، ہری پور ہزارہ

ایک آدمی بس میں داخل ہوا۔ اُس نے تین ٹکٹ خرید کر اپنی تینوں جیبوں میں رکھ لیے۔ ایک صاحب یہ دیکھ کر بڑے حیران ہوئے اور پوچھا، آپ نے ایک ٹکٹ کے بجائے تین ٹکٹ کیوں خریدے؟ اُس آدمی نے جواب دیا، اگر کوئی جیب کترا میری ایک جیب کاٹ لے تو میں دوسرے ٹکٹ سے کام چلا لوں گا۔ دوسرے آدمی نے پھر پوچھا کہ اگر کوئی تینوں جیبوں کو کاٹ لے تو؟ پہلے آدمی نے جوتے میں ہاتھ ڈال کر ایک کارڈ نکالا اور کہا، "تو یہ بس پاس کس کام آئے گا۔"

*

خدا کی آواز

مرسلہ: صوفیہ مصطفےٰ، کراچی

میں نے خدا کی آواز سننے کی جستجو کی اور ایک بلند ترین مینارے پر چڑھ گیا، لیکن خدا نے حکم دیا، "دوبارہ نیچے جاؤ۔" اب میں لوگوں کے درمیان رہتا ہوں۔"

—— شیکسپیئر

بے چارے ولایتی

مرسلہ: جمیل احمد خان، کراچی

ایک صاحب کہہ رہے تھے کہ میں گزشتہ ۱۲ سال سے لندن میں ہوں۔ میں نے کبھی بجلی فیل ہوتے، پانی ختم ہوتے یا سیورتج بند ہوتے نہیں دیکھا۔ اُن کا یہ بیان سُن کر بہت حیرت ہوئی کہ یہ لوگ زندگی کیسے گزارتے ہیں۔ ایسی زندگی کا خاک لطف آتا ہوگا جس میں اچانک بتّی فیل نہ ہو، اکثر ٹیلے فون خراب نہ رہے، سیورتج کا پانی سڑکوں پر نہ پھیلے، عین حالتِ غسل میں پانی نہ چلا جائے۔ یہاں بے لطفی کا یہ عالم ہے کہ یہ لوگ اپنا کام کرانے کے لیے سرکاری دفاتر بھی نہیں جاتے۔ اکثر کام خود بہ خود ہو جاتے ہیں۔ اگر کبھی کبھار کوئی رکاوٹ پیدا بھی ہو جائے تو ایک فون کرتے ہیں اور کام ہو جاتا ہے۔ ہمیں تو یہ دیکھ کر بھی مایوسی ہوئی کہ یہاں مکّھی مچھّر نہ ہونے کے برابر ہے، سمجھ میں نہیں آیا کہ یہاں کارپوریشن موجود ہے، اس کے باوجود مکّھی نہیں؟ معلوم ہوتا ہے یہاں کی لوکل کارپوریشن نااہل ہے اور بیٹھ کر مکّھیاں مارتی ہے۔ ہمارے ہاں تو کارپوریشن بڑی مستعدی سے مچھّر اور مکّھیاں پیدا کرتی ہے۔

—— فرید احمد پراچہ

زبان

مرسلہ: محمد مبشر اقبال پوار، ہری پور ہزارہ

■ زبان کو شکایت کے لیے بند رکھو، خوشی کی زندگی عطا ہوگی۔ (حضرت ابو بکرؓ)

■ انسان اپنی زبان کے پیچھے چُھپا ہے۔ (حضرت علیؓ)

■ زبان کو قابو میں رکھو تاکہ معافی مانگنے کی ندامت سے بچ جاؤ۔ (منصور عمارؒ)

■ مجلس میں زبان قابو میں رکھو، غصّے میں ہاتھ پر اور دسترخوان پر معدے کا خیال رکھو۔ (امام رازیؒ)

■ انسان کی خوبیوں کا مرکز زبان ہے۔ (امام محمد تقیؒ)

افلاس

مرسلہ: سیّد فدا حسین شاہ، مٹیاری سندھ

افلاس کی وجہ سے آدمی شرمندہ ہوتا ہے شرمندگی سے عمل کی قوت سلب ہوتی ہے۔ بے عملی بے عزتی کا سبب بنتی ہے اور بے عزتی اپنے ساتھ دُکھ لاتی ہے۔ دُکھ غم کا موجب ہے اور غم فہم پر اثر انداز ہوتا ہے اور فہم و فراست زائل ہو جانے سے آدمی تباہ ہو جاتا ہے۔ چناں چہ افلاس ہی تمام مصائب کی جڑ ہے۔

—— ہیت اُپدیش

ہمارے رہبر، ہمارے محسن

سر سیّد احمد خاں

مسعود احمد برکاتی

۱۸۵۷ء میں برِصغیر پاک و ہند کی پہلی جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد ملک پر انگریزوں کا قبضہ مضبوط ہو گیا تو انگریزوں نے وہ تمام تدبیریں اختیار کرنی شروع کیں جو اُن کو آیندہ اس قسم کے خطروں سے بچا سکیں۔ انھوں نے مسلمانوں کو اپنا نمبر ایک دشمن سمجھا اس لیے مسلمانوں کے خلاف کارروائیاں شروع کر دیں۔ دوسری طرف مسلمانوں میں مایوسی چھانے لگی۔ انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کے لیے انھوں نے اپنا تن، من، دھن سب لگا دیا تھا، لیکن اس میں ناکامی نے اُن کے حوصلے پست کر دیے۔ ان کے لیڈر ختم ہو گئے۔ ان حالات میں سر سیّد احمد خان سامنے آئے اور انھوں نے حالات کو سمجھنے کی کوشش کی اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیان خلیج کو کم کرنا ضروری ہے، اس کے لیے انگریزوں کو یہ سمجھانا پڑے گا کہ تمام مسلمان انگریزوں کے دشمن اور انگریزی حکومت کے باغی نہیں ہیں۔

سر سیّد احمد خاں دہلی کے معزز خاندان میں ۱۷۔ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو پیدا ہوئے تھے۔ ابتدائی تعلیم اُس زمانے کے رواج کے مطابق گھر پر ہوئی۔ قرآن مجید، فارسی اور عربی کے علاوہ ریاضی اور طِب کی تعلیم بھی حاصل کی۔ اٹھارہ انیس سال کی عمر میں سر سیّد نے تعلیم ختم کر دی، لیکن مطالعے

کا شوق تمام عمر رہا۔ ۱۸۳۸ء میں اپنے والد میر متقی کے انتقال کے بعد سرسیّد کو ملازمت کرنی پڑی، ابتدا میں وہ سررشتہ دار مقرر ہوئے، لیکن جلد ہی منصفی کا امتحان پاس کر لیا۔ ۱۸۴۱ء میں منصف بنا دیے گئے۔ اس ملازمت میں وہ مین پوری، فتح پور، دہلی، بجنور رہے پھر ترقی پا کر صدر امین کی حیثیت سے مراد آباد رہے۔ ۱۸۶۲ء میں غازی پور تبادلہ ہو گیا، جہاں انھوں نے ۱۸۶۳ء میں "سائنٹی فک سوسائٹی" قائم کی۔ اس کے علاوہ انھوں نے غازی پور میں ایک اسکول بھی قائم کیا۔ ۱۸۶۴ء میں سرسیّد کا تبادلہ علی گڑھ ہو گیا اور سائنٹی فک سوسائٹی بھی ان کے ساتھ علی گڑھ آگئی۔ یہاں سے ۱۸۶۶ء میں ایک اخبار "علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ" کے نام سے نکالا جو پہلے ہفتہ وار تھا۔ پھر ہفتے میں دو بار شائع ہونے لگا اور سرسید کی زندگی تک نکلتا رہا۔ یہ اخبار اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں نکلتا تھا اور اس کا مقصد انگریزوں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کے خیالات و حالات سے واقف کر کے قریب لانا تھا۔ ۱۸۶۷ء میں سرسید کا تبادلہ علی گڑھ سے بنارس ہو گیا۔

۱۸۶۹ء میں سرسید اپنے دونوں بیٹوں کو لے کر انگلستان چلے گئے، جہاں وہ ڈیڑھ سال تک وہاں کے حالات خاص طور پر وہاں کے تعلیمی اصول اور طریقوں کو دیکھتے سمجھتے رہے۔ وہ کیمبرج یونی ورسٹی بھی گئے اور بہت غور سے وہاں کے تعلیمی طریقے کو دیکھا اور سمجھا اور اپنے ملک اور قوم کی اصلاح و ترقی کے خیالات و جذبات لے کر وطن واپس آئے، لیکن یہاں مسلمانوں کے پرانے خیالات اور انگریزی تعلیم سے اُن کی نفرت بہت بڑی رُکاوٹ تھی۔ چناں چہ سرسید نے مسلمانوں کے خیالات کی اصلاح کے لیے ۱۸۷۰ء میں رسالہ "تہذیب الاخلاق" جاری کیا، جو چھے سال تک نکلتا رہا۔ اس رسالے کا مقصد یہ تھا کہ ایک طرف مسلمانوں کو بتایا جائے کہ اسلام سائنس اور تمدّنی ترقی کا مخالف نہیں ہے، دوسری طرف عیسائیوں کی یہ غلط فہمی بھی دُور کی جائے کہ اسلام ترقی کا دشمن ہے۔ تہذیب الاخلاق کی شروع شروع میں بڑی مخالفت ہوئی، لیکن آہستہ آہستہ اس کو پسند کرنے والے بھی بڑھتے گئے۔ ۱۸۷۵ء میں سرسید نے علی گڑھ میں مدرستہ العلوم قائم کر دیا اور پوری توجہ سے مدرسے کا کام کرنے کے لیے ۱۸۷۶ء میں سرکاری ملازمت سے استعفا دے دیا اور اب وہ پوری طرح علی گڑھ کو پورے برصغیر کے مسلمانوں کا تعلیمی اور ذہنی مرکز بنانے لگ گئے۔

سرسید کا سفرِ انگلستان اور ساری جدوجہد دراصل اُن کے اس عظیم کارنامے کے لیے تھی جو آج مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے نام سے دنیا کے سامنے ہے اور جس نے مسلمانوں کو جگایا اور ان کو احساس دلایا کہ مایوسی کے اندھیرے سے نکلنے اور دوسری قوموں کا مقابلہ کرنے کے لیے اُن کو اپنی تعلیم کا نظام نئی بنیادوں پر قائم کرنا پڑے گا۔ وہ ابتدا میں ہندُستان میں رہنے والی تمام قوموں کی ترقی اور بھلائی کی کوشش میں تھے، لیکن حالات کے رُخ کو دیکھ کر اُن کی دُور بین نگاہوں نے بہت جلد یہ دیکھ لیا کہ برصغیر کی دو بڑی قومیں یعنی ہندو اور مسلمان دل سے کسی کام میں شریک نہ ہو سکیں گی۔ یہی وجہ ہے کہ سرسید کی تحریک برصغیر کے مسلمانوں کی حیاتِ نو کا ذریعہ بنی اور مسلمان آج ایک آزاد وطن میں خود مختار اور باوقار زندگی گزار رہے ہیں۔ بابائے اردو نے صحیح لکھا ہے کہ "اس میں ذرا مبالغہ نہیں کہ قصرِ پاکستان کی بنیاد میں سب سے پہلی اینٹ اسی پیرمرد (سرسید) کے مبارک ہاتھوں نے رکھی۔"

سرسید نے سرکاری ملازمت کے دوران انگریزوں کو قریب سے دیکھا، اُن کی خوبیوں اور خامیوں کو سمجھا۔ اسی کے ساتھ وہ علمی کاموں سے کبھی غافل نہیں رہے۔ انھوں نے "آثار الصنادید" جیسی تحقیقی کتاب لکھی، جس کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ گارسیں دتاسی نے کیا۔ بجنور کی تاریخ لکھی۔ "اسباب بغاوتِ ہند" جیسی کتاب لکھ کر انگریزوں کی غلطیوں کو بڑی جرات سے واضح کیا۔ آئین اکبری کی تصحیح کی۔ تاریخ سرکشی بجنور لکھی۔ تاریخ فیروزشاہی کی تصحیح کی۔ سیکڑوں مضامین لکھے۔ کالج کے لیے چندے جمع کیے۔ کالج کی عمارتوں کی تعمیر کی خود نگرانی کی۔ خود انگریزی کی تعلیم حاصل نہیں کی تھی، لیکن انگریزی کی عمدہ کتابیں اردو میں ترجمہ کرائیں اور جدید خیالات و معلومات سے اہلِ وطن کو روشناس کرایا۔ سیرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ولیم میور کی کتاب کا مدلل جواب "خطباتِ احمدیہ" کی شکل میں لکھا اور اس کا انگریزی ترجمہ اپنا سامان بیچ کر شائع کیا۔ سرسید کی زندگی محنت، خدمت اور قومی ہمدردی کا بہت اعلا نمونہ ہے۔ انھوں نے مسلمانوں کے حق میں جو راستہ صحیح سمجھا اس پر مخالفتوں اور رکاوٹوں کی پروا کیے بغیر مردانہ وار چلتے رہے۔

یہ روشن خیال مصلح عمر بھر اپنی قوم کی ذہنی ترقی کی کوشش اور اردو ادب کو مالا مال کرنے میں مصروف رہا اور آخر ۲۷۔مارچ ۱۸۹۸ء کو دنیا سے رخصت ہوا۔ یہ اسی بے لوث رہنمائی کا نتیجہ ہے کہ آج بڑے سے بڑا ماہرِ تعلیم بھی اپنے آپ کو سرسید ثانی کہلا کر فخر کرتا ہے۔

UNION
BISCUITS & WAFERS
Union Marie
UNION Glucose BISCUITS
UNION HONEY BISCUITS
ORANGE CREAM
UNION MILKY BISCUITS
UNION LEMON SANDWICH BISCUITS
WAFERS
Midas Khi

دو دوست

علی اسد

بہت دِنوں کی بات ہے کہ ایک مُرغا اور ایک کتّا ایک دوسرے کے گہرے دوست تھے۔ دونوں نے قسم کھا رکھی تھی کہ ایک دوسرے کا ہر حال میں ساتھ دیں گے۔ مگر بدقسمتی سے اس جگہ جہاں یہ دونوں رہتے تھے قحط کی مصیبت آگئی۔ چناں چہ کتّے نے مرغے سے کہا، "اب یہاں میرے لیے کوئی غذا نہیں رہ گئی ہے۔ اس لیے میں دوسرے ملک جارہا ہوں۔ بس تم کو اس لیے بتائے دیتا ہوں کہ تم بعد میں یہ نہ کہو کہ کتّا میرا دوست تھا، مگر وہ کچھ کہے بغیر مجھ کو چھوڑ کر چلا گیا۔"

یہ سُن کر مرغے نے کہا، "بھائی کتّے، ہم دونوں نے تو دوستی کی قسم کھا رکھی ہے۔ اب اگر تم جارہے ہو تو میں بھی تمھارے ساتھ چلتا ہوں۔ چلو ہم دونوں ساتھ چلیں۔ چوں

کہ تم کہتے ہو اس لیے تم ہم دونوں کے لیے غذا کا بندوبست کر سکو گے۔ بات یہ ہے کہ اگر میں نے اکیلے جانے کی کوشش کی تو گاؤں کے تمام کتّے مجھے پھاڑ کھائیں گے۔"

اس پر کتّے نے کہا، "ٹھیک ہے۔ میں جب غذا کے لیے جاؤں تو تم جنگل میں چھپے رہنا۔ مجھے جو کچھ بھی ملے گا وہ میں لے آؤں گا اور ہم دونوں کھا لیا کریں گے۔" چناں چہ یہ دونوں دوست روانہ ہو گئے۔ کچھ دُور جا کر ان کو ایک گاؤں دکھائی دیا۔ کتّا بولا، "اب میں غذا کے لیے جاتا ہوں، مگر تم اسی جگہ رہنا، لیکن اگر میری عدم موجودگی میں تم پر کوئی مصیبت آ گئی تو مجھے کیسے معلوم ہو سکے گا؟"

یہ سُن کر مرغا بولا، "چلو یوں کرو کہ جب تم مجھے تین بار اذان دیتے سنو تو فوراً میرے پاس چلے آؤ۔"

غرض کچھ دِنوں تک یہ دونوں دوست اطمینان سے زندگی گزارتے رہے۔ کتّا روز غذا لے آتا تھا اور رات کو اس درخت کے نیچے لیٹ جاتا تھا جس کی شاخوں میں مُرغا آرام سے رات بسر کرتا تھا، لیکن ایک دن جب کتّا گیا ہوا تھا تو ایک گیدڑ آ گیا۔ اس نے اوپر جو دیکھا تو مُرغا دکھائی دیا۔ چناں چہ گیدڑ نے مرغے سے کہا، "ماموں جان، اتنی اونچی شاخ پر کیوں بیٹھے ہو؟ نیچے اُتر آؤ اور ہم تم دونوں مل کر نماز پڑھ لیں۔"

مرغا بولا، "بڑی اچھی بات ہے، لیکن نماز سے پہلے مجھے اذان دینا ہے تاکہ اور لوگ بھی سُن لیں اور شریک ہو جائیں۔"

یہ کہہ کر مرغے نے بڑے زور سے اذان دینا شروع کر دی۔ کتّے نے مرغے کی اذان گاؤں میں سُن لی اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا، "میرے دوست پر کوئی مصیبت آ گئی ہے۔ مجھے فوراً وہاں پہنچنا چاہیے۔"

لہٰذا کتّا تیزی سے جنگل کی طرف دوڑ پڑا۔ اِدھر گیدڑ نے جوں ہی کتّے کو آتے دیکھا تو وہ ڈر کر وہاں سے کھسکنے لگا۔ یہ دیکھ کر مرغے نے کہا، "ارے بھانجے! یہ تو ایک پارسا پڑوسی ہے جو آ رہا ہے تاکہ ہمارے ساتھ شریک ہو سکے۔ بھاگو نہیں۔ کم از کم نماز تو پڑھتے جاؤ۔" یہ سُن کر گیدڑ بولا، "ماموں جان، میں ضرور رُکتا، مگر حقیقت یہ ہے کہ ابھی ابھی میرا وضو ٹوٹ گیا ہے، خدا حافظ!" اتنا کہہ کر گیدڑ نو دو گیارہ ہو گیا۔

اسد رضوی نے چلنا اور شطرنج کی چالیں چلنا ایک ساتھ سیکھا

ساجد علی ساجد

شطرنج بڑوں کا کھیل سمجھا جاتا ہے، جس میں دو کھلاڑی چیس بورڈ پر رکھے ہوئے مہروں کو آگے پیچھے کر کے چالیں چلتے ہیں اور ایک دوسرے کے مہرے پیٹنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر ہم کراچی کے ایک ایسے کم سن کھلاڑی کو بھی جانتے ہیں، جنھوں نے ہوش سنبھالتے ہی شطرنج کھیلنی شروع کر دی تھی۔ اسد رضوی بھی ایک ایسے ہی کھلاڑی ہیں، جو پاکستان کے جونیئر چیمپئن رہ چکے ہیں۔

اسد رضوی کے والد جناب سید حیدر مہدی رضوی بھی شطرنج کھیلتے تھے۔ اِنھی کو دیکھ کر اسد کو شطرنج کا شوق پیدا ہوا اور وہ چُپکے چپکے شطرنج کے مہروں سے کھیلنے لگے۔ اُس وقت ان کی عمر صرف ساڑھے چار سال تھی۔ انھیں چوں کہ کھیلنے کے لیے ایک ساتھی کی بھی ضرورت تھی اس لیے انھوں نے خود اپنے ملازم کو شطرنج سکھاتی۔ پھر ایک دن جب اسد کے والد شطرنج کے قومی چیمپین ظہیر فاروقی کا میچ دیکھنے کے لیے جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ ان کے دوست وقت گزاری کے لیے اسد کے ساتھ شطرنج کھیلنے بیٹھ گئے۔ وہ لوگ خاصی دیر کھیلنے کے باوجود اسد کو نہ ہرا

سکے۔ اس دن گھر میں پہلی مرتبہ یہ پتا چلا کہ ننھّے منّے اسد میاں، جن کی عمر صرف پانچ سال تھی خیر سے شطرنج کھیلنے لگے ہیں۔ شطرنج میں اسد کے کارناموں کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ ۱۹۷۵ء میں فرینڈشپ ہاؤس، کراچی میں اسد نے روسی گرینڈ ماسٹر پلیٹنوف سے شطرنج کھیلی۔ میچ ہار جیت کے فیصلے کے بغیر ختم ہوا۔

۲۔ ۱۹۷۸ء میں اسد نے صرف دس سال کی عمر میں اڑلنگٹن ٹورنامنٹ (انگلستان) میں تیسری پوزیشن حاصل کی۔

۳۔ ۱۹۷۸ء میں ہی وہ ایک ساتھ دس کھلاڑیوں کے خلاف کھیلے اور سب کو ساڑھے تین گھنٹے کے ریکارڈ ٹائم میں شکست دی۔

۴۔ ۱۹۷۹ء میں برطانوی چیمپین اور انٹرنیشنل ماسٹر اسپل مین سے نہ صرف کھیلے، بلکہ انھیں شکست بھی دی۔

۵۔ اسی سال میکسیکو میں ہونے والے "چودہ سال تک کے کم عمر کھلاڑیوں کی ورلڈ چیس چیمپئن شپ" میں پانچویں پوزیشن حاصل کی۔

۶۔ ۱۹۸۰ء میں انگلستان میں برٹش لوائیڈز "۲۰ سال سے کم عمر کھلاڑیوں کی چیمپئن شپ" میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔

۷۔ میکسیکو میں ۱۹۸۰ء میں چودہ سال تک کے کھلاڑیوں کی دوسری ورلڈ چیس چیمپئن شپ ہوئی جس میں اسد چوتھے نمبر پر رہے۔

۸۔ ۱۹۸۰ء میں ہی اسد رضوی بیس سال تک کی عمر کے کھلاڑیوں کے جونیئر چیمپئن بنے۔ اُس وقت اُن کی عمر صرف بارہ سال تھی۔

۹۔ ۱۹۸۲ء میں انگلستان گئے اور ہیرو کنٹری کی چیس ٹیم کی طرف سے کھیلے۔ یہ ٹیم انٹر کاؤنٹیز چیس ٹورنامنٹ میں پہلے نمبر پر آئی۔

۱۰۔ ۱۹۸۲ء میں وہ لکھنؤ کے اسٹیٹ بنک اوف انڈیا کے اوڈیٹوریم میں اتنا اچھا کھیلے کہ انھیں بھارتی اخبارات نے "شطرنج کے مہارتی" کا ایوارڈ دیا۔

۱۱۔ ۱۹۸۳ء میں اسد رضوی نے یورپی چیس ماسٹر کے خلاف ایک بازی جیتی، جس کی رُوداد لندن کے "چیس میگزین" میں بھی شائع ہوئی۔

۱۲۔ ۱۹۸۳ء میں انھیں ایس۔ ایم سائنس کالج کی طرف سے "حُسنِ کارکردگی (پرائڈ اوف پرفارمینس)

کا اعزاز بھی ملا۔

۱۳- ۱۹۸۴ء میں وہ دوبئی میں ہونے والے متحدہ عرب امارات کے دوسرے شطرنج فیسٹول میں کھیلنے گئے اور وہاں شطرنج کے بین الاقوامی ٹورنامنٹ میں تیسری پوزیشن حاصل کی۔

۱۴- ۱۹۸۴ء میں ہی انھوں نے سنگاپور جا کر شطرنج کے ساتویں عالمی ٹورنامنٹ میں حصّہ لیا۔ ۱۲ سال تک کی عمر کے کھلاڑیوں کی جونیئر ٹرافی جیتی۔ وہیں انھیں بہترین گیم کھیلنے پر بریلینسی ایوارڈ (BRILLIANCY AWARD) دیا گیا۔ آج کے دَور میں جب شطرنج کے مقابلے بڑے سخت ہو گئے ہیں، اسد کو یہ ایوارڈ ملنا بڑی بات ہے۔ اوپن ٹورنامنٹ میں انھوں نے چھٹی پوزیشن حاصل کی۔

کرکٹ

اسد رضوی شطرنج کے ہی نہیں کرکٹ کے بھی اچھے خاصے کھلاڑی ہیں۔ اس کھیل میں وہ جو کچھ اب تک کر چکے ہیں، اُس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ چھے سال کی عمر سے کرکٹ کھیلنی شروع کی اور حبیب پبلک اسکول کی جونیئر ٹیم کی طرف سے کھیلے۔

۲۔ لندن میں، جہاں اسد کے دو بڑے بھائی رہتے ہیں، اسد نے ہیرو کلب اور دوسرے کلبوں سے کرکٹ کھیلی۔

۳۔ اسد ۱۹۸۳ء میں کلفٹن اور ڈیفینس سوسائٹی کی کرکٹ ٹیم سے وابستہ ہو گئے۔

۴۔ ۱۹۸۳ء میں انھیں ایس۔ ایم سائنس کالج کی ٹیم کے لیے منتخب کیا گیا۔

۵۔ اسد نے ۱۹۸۴ء میں پاک پیراگون کرکٹ کلب سے وابستگی اختیار کی۔

۶۔ اسی سال اسد کو موسم گرما کے قومی کرکٹ تربیتی کیمپ میں بُلایا گیا جہاں انھوں نے ایک اچھے آل راؤنڈر کھلاڑی کے طور پر تربیت مکمل کی۔

اسد نے حبیب پبلک اسکول سے فرسٹ ڈویژن میں میٹرک پاس کیا۔ وہ برٹش کونسل سے "او" لیول کا امتحان پاس کر چکے ہیں اور اس سال "اے" لیول کا امتحان دے رہے ہیں۔

اسد کی خواہش ہے کہ شطرنج میں دنیا بھر کے چیمپئن بن جائیں۔ ظاہر ہیں یہ کام بڑا مشکل نظر آتا ہے، مگر اسد جس شوق اور ذہانت سے کھیل رہے ہیں، اسے دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ شطرنج کا عالمی چیمپئن بننے کے لیے پوری پوری کوشش کریں گے۔

مجھے چاند لا دو

تحریر: جیمس تھربر - ترجمہ: سید نیّر رضا رضوی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی ملک میں لی نور نامی ایک شہزادی رہتی تھی۔ وہ دس برس کی تھی۔ ایک دن شہزادی نے بہت ساری کھٹّی رس بھریاں کھالیں اور بیمار پڑ گئی۔ شاہی طبیب اس کے معائنے کو فوراً پہنچا۔ اس نے شہزادی کی نبض اور زبان دیکھی اور وہ شہزادی کی خطرناک حالت دیکھ کر گھبرا گیا اور فوراً ہی بادشاہ یعنی لی نور کے باپ کو شہزادی کی حالت بتائی۔ بادشاہ نے کہا، "میں تمھاری ہر خواہش پوری کروں گا بیٹی! کیا تمھاری کوئی دلی خواہش ہے؟"

شہزادی بولی، "ہاں، مجھے چاند چاہیے۔ اگر مجھے چاند مل گیا تو میں دوبارہ ٹھیک ہو جاؤں گی۔"

یہ سُن کر بادشاہ اپنے خاص کمرے میں چلا آیا اور ایک ڈوری کھینچ کر گھنٹی بجائی۔ تین بار زور سے اور ایک بار آہستہ سے۔ یہ آواز سُن کر ایک موٹا تگڑا آدمی اندر آیا۔ اس آدمی کی ناک پر دھری ہوئی عینک کے شیشوں نے اس کی آنکھوں کو دُگنا کر دیا تھا۔ یہ آدمی محل کا منتظمِ اعلا تھا۔ بادشاہ نے اس آدمی سے کہا،

"میں چاہتا ہوں کہ تم شہزادی کے لیے چاند لاؤ۔ اگر لی نور نے چاند حاصل کر لیا تو وہ دوبارہ تن درست ہو جائے گی۔ آج رات تک چاند لے آؤ۔ اگر یہ ممکن نہیں تو ہم تمھیں زیادہ سے زیادہ کل تک کی مہلت دے سکتے ہیں۔"

یہ عجیب و غریب حکم سُن کر محل کا منتظمِ اعلا بہت گھبرایا اور جلدی سے رومال سے ماتھے کا پسینا پونچھا اور بولا، "میں نے اپنی زندگی میں آپ کی بہت خدمت کی ہے حضور!" وہ گھگیایا، "میں نے آپ کی خدمت میں بہت ساری چیزیں حاضر کیں۔ اوہ! ہاں ان کی فہرست بھی میرے پاس موجود ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی جیب میں سے کاغذات کا ایک پلندہ کھینچا، "یہ دیکھیے.... میں نے آپ کی فرمائش پر ہاتھی دانت، بندر، مور، لعل، یاقوت،

زمرد، قیمتی جڑی بوٹیاں، زرد ہاتھی، نیلے کتے، اُلٹے اُڑنے والے پرندے، مختلف جانوروں کی زبانیں، فرشتوں کے پَر، نایاب سینگ، دیو، بونے، جل پریاں، لوبان، عنبر اور عطریات.... ایک پونڈ مکھن، دو درجن انڈے اور ایک بوری چینی حاصل کی اور آپ کی خدمت میں پیش کی..... اوہ حضور والا، دراصل آخر میں کچھ چیزیں میری بیوی نے لکھ دی ہیں۔ معافی چاہتا ہوں۔"

بادشاہ بولا، "کوئی بات نہیں، لیکن مجھے تو اس وقت چاند چاہیے۔"

محل کا منتظم اعلا گھبرا گیا، "چاند..... اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا حضور! وہ ہم سے ۳۵ ہزار میل دور ہے اور شہزادی کے کمرے سے بھی بڑا ہے۔ پھر یہ کہ وہ پگھلے ہوئے تانبے سے بنا ہوا ہے۔ مجھے افسوس ہے حضور، میں چاند حاصل کرنے کی سعادت کے قابل نہیں۔ میں نایاب نیلے کتے تو لا سکتا ہوں، مگر چاند لانا میرے بس سے باہر ہے۔"

بادشاہ نے کہا، "بیٹی، میں تمھاری ہر خواہش پوری کروں گا

بادشاہ غصّے کے مارے کانپنے لگا۔ اس نے منتظمِ اعلا کو فوراً کمرے سے نکل جانے اور شاہی جادوگر کو بھیجنے کا حکم دیا۔ شاہی جادوگر ایک چھوٹا سا، پتلا اور لمبے چہرے والا شخص تھا۔ وہ گہرے سُرخ رنگ کا ہیٹ پہنے ہوئے تھا اور جسم پر نیلا چُغا جس پر سنہرے رنگ کے اُلّو بنے ہوئے تھے۔ جب بادشاہ نے اسے بتایا کہ وہ اپنی چھوٹی بیٹی کے لیے چاند منگوانا چاہتا ہے اور یہ ذمّے داری شاہی جادوگر کے سپرد کرنا چاہتا ہے تو اس کی رنگت خوف کے مارے زرد پڑ گئی۔ وہ جلدی سے بولا،

"حضور! میں نے اپنے وقت میں آپ کے لیے جادو کے بہت سے شعبدے اور کرتب دکھائے۔ میں ابھی اپنی جیب سے ایک فہرست نکالتا ہوں۔ جس میں میرے وہ تمام کرتب اور شعبدے تحریر ہیں جو میں نے آپ کو دکھائے۔ یہ لیجیے دیکھیے۔ میں نے آپ کے لیے شلغموں میں سے خون نکالا اور خون میں سے شلغم نکالے۔ میں نے ریشمی ٹوپیوں میں سے خرگوش اور خرگوشوں میں سے ریشمی ٹوپیاں ظاہر کیں۔ میں نے اپنے جادو کے زور سے خلا میں سے پھول، ڈھول اور فاختائیں پیدا کیں۔ میں نے آپ کو غوطہ زن، جادوئی چھڑیاں اور ایسے بلّوریں گولے پیش کیے جن میں آپ اپنے مستقبل کا حال دیکھ سکتے ہیں۔ میں نے بھیڑیے کے زہر، رات کے اندھیرے اور عُقاب کے آنسوؤں سے آپ کے لیے ایک خاص شربت بنایا تاکہ آپ جادوگرنیوں، آسیب اور رات کو ڈرنے والی تمام چیزوں سے محفوظ رہیں۔ میں نے آپ کو سات تہوں والے جوتے اور وہ چُغا دیا جسے پہننے والا آدمی دوسروں کو نظر نہیں آتا۔"

بادشاہ بولا، "لیکن وہ چُغا تو کام نہیں کرتا۔ مجھے تو پہلے کی طرح اب بھی رات میں ڈراؤنی چیزیں نظر آتی ہیں۔"

"چُغا آپ کو غیر مرئی بنانے کے لیے تیار کیا گیا تھا، یعنی آپ کسی کو نظر نہ آئیں،" شاہی جادوگر نے صفائی پیش کی، "آپ کو ڈرانے والی چیزوں سے بچانے کے لیے چُغا نہیں بنایا گیا تھا۔" اس نے دوبارہ فہرست کے اندراجات پڑھنے شروع کر دیے: "میں نے آپ کے حکم پر بونوں کے ملک سے سینگ، ریتیلے آدمی سے ریت اور قوسِ قزح سے سونا حاصل کیا۔ اس کے علاوہ دھاگے کا ایک ریل، سوئیوں کا پیکٹ اور ایک موم بتی ...... اوہ، ظلِ الٰہی، معاف کیجیے گا، یہ

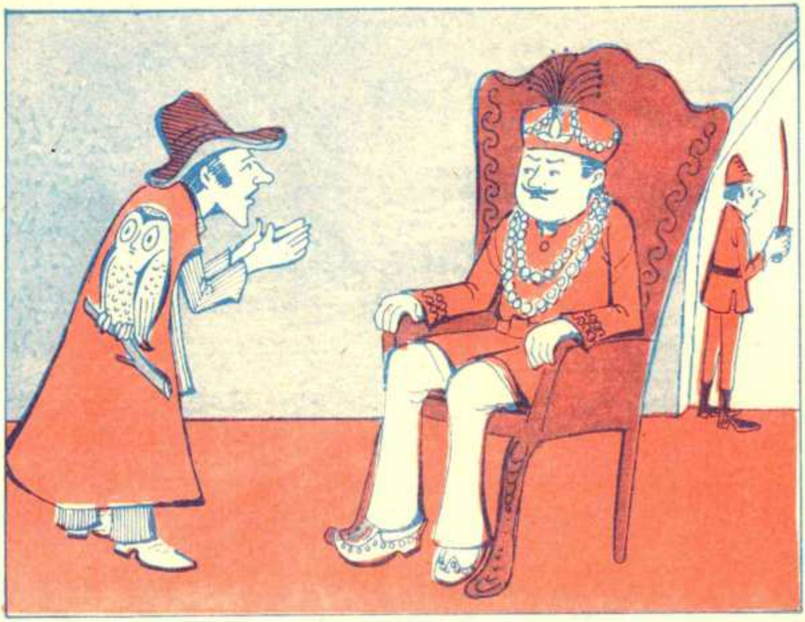

جادوگر بولا، "حضور، میں نے آپ کو جادو کے بہت سے شعبدے اور کرتب دکھائے ہیں۔"

چیزیں میری بیوی نے لکھ دی ہیں تاکہ میں اس کے لیے بازار سے لا دوں۔"

"لیکن میں اس وقت یہ چاہتا ہوں کہ تم کسی بھی طرح مجھے چاند لا کر دو۔ شہزادی لی نور چاند حاصل کرنا چاہتی ہے اور جب وہ چاند حاصل کر لے گی تو دوبارہ تن درست ہو جائے گی۔" بادشاہ نے بہ مشکل غصّہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔

شاہی جادوگر منمنایا:

"چاند لانا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ وہ ہم سے ڈیڑھ لاکھ میل دُور ہے اور وہ سبز پنیر کا بنا ہوا ہے۔ اس کی جسامت تو اس محل سے بھی زیادہ ہے حضور!"

یہ مایوس کن باتیں سُن کر بادشاہ ایک بار پھر غصّے سے کانپنے لگا اور اس نے شاہی جادوگر کو واپس اس کے غار میں بھیج دیا۔ اس کے بعد شاہی ریاضی داں کو طلب کیا گیا۔ شاہی ریاضی داں کم زور سا آدمی تھا۔ اس کا سَر گنجا تھا۔ اس لیے اس نے ایک ٹوپی پہن رکھی تھی

اور کان پر اپنی مخصوص پنسل لگا رکھی تھی۔ بادشاہ نے اسے شروع ہی سے خبردار کر دیا:
"میں تمھارے ان کارناموں کی فہرست نہیں سننا چاہتا جو تم نے ۱۹۵۰ء سے لے کر اب تک میرے لیے انجام دیے ہیں۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم فوراً یہ بتاؤ کہ شہزادی لی نور کے لیے چاند کیسے لایا جا سکتا ہے۔"

شاہی ریاضی دان بولا:

"میں خوش ہوں کہ آپ نے میرے ان کارناموں کو یاد رکھا ہے جو میں نے اب تک انجام دیے۔ یہ دیکھیے ان کی فہرست میرے پاس ہے۔ میں نے آپ کو دہری شکل کے سینگوں کا درمیانی فاصلہ ناپ کر بتایا۔ میں نے رات اور دن اور الف سے ی تک کا فاصلہ معلوم کیا۔ میں نے سمندری ناگ کی لمبائی، بے قیمت چیز کی قیمت اور دریائی گھوڑے کا مربع معلوم کیا۔" ریاضی داں اپنی دُھن میں بہت سے کارنامے گنوا تا جا رہا تھا اور بادشاہ کا چہرہ لال بھبوکا ہوتا جا رہا تھا۔ "میں نے آپ کو معلوم کر کے بتایا کہ آپ نمک سے سمندر میں کتنے پرندے پکڑ سکتے ہیں۔ ۱۸۷، ۷۹۶، یا ۱۳۲۔ میں بتاؤں اگر آپ صحیح تعداد جاننا چاہیں؟"

"وہاں اتنے سارے پرندے نہیں ہو سکتے!" بادشاہ جھنجھلا کر بولا۔ "اور اگر ہوں تو بھی میں اس وقت صرف چاند چاہتا ہوں۔"

"چاند ..... ؟ چاند تو یہاں سے ۳ لاکھ میل دُور ہے حضور عالی!" ریاضی دان نے ادب سے کہا۔ "وہ کسی سکّے کی طرح گول اور ہموار ہے، وہ اسبسٹاس کا بنا ہوا ہے اور آپ کی سلطنت سے آدھی جسامت کا ہے۔ اس کے علاوہ وہ آسمان پر چپکا ہوا ہے۔ کوئی بھی چاند زمین تک نہیں لا سکتا۔"

بادشاہ کے بدن میں دوبارہ غصّے سے آگ سی لگ گئی اور اس نے شاہی ریاضی داں کو ڈانٹ کر بھگا دیا۔ پھر اس نے درباری مسخرے کو بُلا بھیجا۔ وہ خاص کمرے میں اپنی ٹوپی اور گھنٹیاں سنبھالتا ہوا آیا اور تخت کے پائے کے پاس بیٹھ گیا اور بولا:

"میں آپ کے حکم کا منتظر ہوں حضور والا!"

بادشاہ نے غمگین لہجے میں کہا:

"شہزادی لی نور چاند مانگ رہی ہے اور وہ اُس وقت تک اچھی نہ ہو گی جب تک کہ

چاند حاصل نہ کر لے، مگر کوئی بھی اس کے لیے چاند نہیں لا سکا۔ جب بھی ہم نے کسی سے چاند لانے کو کہا، اُس نے چاند کو اپنے پہلے والے شخص سے زیادہ بڑا اور دُور بتایا۔ تم بھی میرے لیے سوائے اپنا باجا بجانے کے اور کیا کر سکتے ہو۔"

مسخرے نے پوچھا، "اُن کے خیال کے مطابق چاند کتنا بڑا اور کتنی دُور ہے؟"

بادشاہ نے تفصیل بتائی:

"منتظمِ اعلا کے مطابق ۳۵ ہزار میل دُور ہے اور شہزادی کے کمرے سے بڑا ہے۔ شاہی جادوگر نے کہا کہ وہ ڈیڑھ لاکھ میل دور ہے اور اِس محل سے دوگنا بڑا ہے۔ ریاضی داں کے خیال کے مطابق چاند ۳ لاکھ میل دُور ہے اور جسامت میں اس سلطنت کا آدھا ہے۔"

درباری مسخرے نے کچھ دیر تک اپنا بربط (باجا) بجایا اور پھر بولا، "وہ سب لوگ عقل مند ہیں اور وہ یقیناً صحیح کہتے ہیں۔ اگر وہ سب لوگ درست کہتے ہیں تو پھر چاند ہر شخص کے لیے اتنا ہی بڑا اور دُور ہو گا جتنا وہ سمجھتا ہے۔ اب جو بات ہمیں معلوم کرنی چاہیے یہ ہے کہ شہزادی لی نور چاند کو کتنا بڑا اور کتنی دُور سمجھتی ہے۔"

بادشاہ خوش ہوا، "اوہ! ہم نے اس کے متعلق تو سوچا ہی نہیں۔"

"حضور میں شہزادی کے پاس جا کر پوچھتا ہوں۔"

شہزادی لی نور درباری مسخرے کو دیکھ کر خوش ہوئی، مگر اس کا چہرہ بہت زرد اور آواز بہت کم زور ہو گئی تھی۔ اس نے آہستہ سے پوچھا:

"کیا تم میرے لیے چاند لے آئے ہو؟"

مسخرے نے جواب دیا،

"شہزادی عالیہ، ابھی نہیں، مگر میں آپ کے لیے اسے ایک پَل میں لے آؤں گا۔ آپ کے خیال میں وہ کتنا بڑا ہے شہزادی عالیہ!"

"وہ .... تو میرے انگوٹھے کے ناخن سے بھی چھوٹا ہے، کیوں کہ جب میں اپنا انگوٹھا چاند کے آگے کرتی ہوں تو وہ نظر نہیں آتا۔"

"اچھا..... اور وہ کتنی دُور ہے؟"

شہزادی نے بتایا، "وہ اس بڑے درخت سے زیادہ اونچا نہیں جو کہ میرے کمرے کی کھڑکی کے باہر ہے، کیوں کہ بعض اوقات وہ درخت کی اونچی شاخوں میں پھنس جاتا ہے۔"

"میں آج رات درخت پر چڑھوں گا اور جب چاند اونچی شاخوں میں پھنس جائے گا تو میں اسے پکڑ کر لے آؤں گا۔" درباری مسخرے نے کہا، پھر اسے ایک بات کا خیال آیا اور اس نے پوچھا:

"شہزادی صاحبہ! چاند کس چیز کا بنا ہوا ہے؟"

شہزادی ہنسی:

"اوہ ..... تمھیں اتنا بھی نہیں پتا بے وقوف، وہ سونے کے علاوہ اور کس چیز کا ہو سکتا ہے؟"

درباری مسخرہ شاہی سنار سے ملا اور اس کو ایک پتلا سا گول اور سونے کا چاند بنانے

مسخرہ بولا، "شہزادی عالیہ، میں آپ کے لیے ایک پل میں چاند لے آؤں گا۔"

کا حکم دیا، جو کہ شہزادی ہی نوز کے انگوٹھے کے ناخن سے چھوٹا ہو۔ پھر اس نے کہا کہ وہ اُسے سونے کی زنجیر میں پرو دے تاکہ شہزادی اسے اپنے گلے میں پہن سکے۔

"یہ کیا چیز بنوا رہے ہو؟" سنار کام ختم کرتے ہوئے بولا۔

"تم نے چاند بنایا ہے۔" مسخرے نے مسکراتے ہوئے کہا۔

سنار حیرت سے بولا، "کیا کہا چاند؟ لیکن وہ تو ہم سے ۵ لاکھ میل کے فاصلے پر ہے اور وہ کانسی کے موتی کی طرح گول ہے۔"

"یہ تمھارا اپنا خیال ہے، جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔" درباری مسخرہ یہ کہہ کر وہاں سے چاند لے گیا۔

اس نے چاند شہزادی کو دے دیا اور وہ خوشی کے مارے پھولی نہ سمائی۔ اگلے دن وہ بالکل تن درست ہو چکی تھی اور اب وہ اُٹھ کر باغ میں کھیلنے کے قابل بھی ہو گئی تھی۔

لیکن بادشاہ جانتا تھا کہ رات کو چاند آسمان پر دوبارہ چمکے گا اور اگر شہزادی نے اسے دیکھ لیا تو وہ جان جائے گی کہ جو چاند وہ اپنے گلے میں پہنے ہوئے ہے وہ اصل چاند نہیں۔ چناں چہ اس نے محل کے منتظم اعلا سے کہا:

"ہمیں ہر حال میں آج رات شہزادی کو چاند دیکھنے سے بچانا ہے۔ کچھ سوچو۔"

منتظم اعلا نے اپنے ماتھے کو انگلیوں سے کھٹکھٹایا اور بولا، "ہم کالے شیشوں کی عینک شہزادی کے لیے بنا سکتے ہیں۔"

یہ سُن کر بادشاہ بہت ناراض ہوا اور بولا، "اگر اس نے کالے رنگ کی عینک پہنی تو وہ اندھیرے میں چیزوں سے ڈرے گی اور دوبارہ بیمار ہو جائے گی۔"

پھر اس نے شاہی جادوگر کو طلب کیا جو پہلے اپنے ہاتھوں پر اُلٹا کھڑا ہوا پھر سَر کے بَل اور اس کے بعد دوبارہ ٹانگوں پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور بولا، "میں ابھی ترکیب بتاتا ہوں۔ کچھ کالے مخملی پردے کھمبوں کے سہارے محل کے تمام باغات پر تان دیے جائیں جیسے کہ سرکس میں شامیانے پھیلائے جاتے ہیں۔"

یہ سُن کر بادشاہ اتنا غضب ناک ہوا کہ اس نے اپنا ہاتھ زور سے گھمایا اور جادوگر بہ مشکل بچا، "کالے پردے ہوا اندر آنے سے روکیں گے اور شہزادی دوبارہ بیمار ہو جائے گی۔"

اب ریاضی دان کی باری تھی۔ وہ ایک دائرے میں چکّر کھاتا ہوا آیا اور ایک مربع میں چوکور گھومنے لگا اور اس کے بعد کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا، "میں آپ کو بتاتا ہوں۔ ہم ہر رات باغ میں آتش بازی یعنی پھلجھڑیاں، انار، بم اور روشنی کے گولے چھوڑ سکتے ہیں۔ ہم بہت سے چاندی کے فوارے اور سونے کے جھرنے بنائیں گے اور جب وہ چلیں گے تو آسمان بہت سے شعلوں، چنگاریوں اور روشنی سے بھر جائے گا اور دن کی طرح روشنی میں چاند نظر نہیں آئے گا۔"

یہ سننا تھا کہ گویا قیامت آگئی۔ بادشاہ غصّے کے مارے کانپنے لگا، "آتش بازی کی چمک اور آوازوں سے شہزادی جاگ جایا کرے گی اور وہ دوبارہ بیمار پڑ جائے گی۔" یہ کہہ کر اس نے شاہی ریاضی داں کو بھگا دیا۔ اس نے اوپر کی جانب دوبارہ دیکھا۔ ہلکا ہلکا اندھیرا پھیل چکا تھا اور چاند کا چمک دار کونا افق سے جھانک رہا تھا۔ وہ خوف اور غصّے میں درباری مسخرے کے پاس چھلانگیں لگاتا پہنچا۔ وہ بولا،

"مجھے کوئی غمگین نغمہ سناؤ، کیوں کہ شہزادی جب چاند کو آسمان پر چمکتا دیکھے گی تو دوبارہ بیمار پڑ جائے گی۔"

درباری مسخرے نے اپنے بربط پر ضرب لگائی، "آپ کے عقل مند مشیر کیا کہتے ہیں؟"

"وہ چاند کو چھپانے کا کوئی ایسا معقول طریقہ نہ سوچ سکے جس سے شہزادی بیمار نہ پڑے۔"

درباری مسخرے نے بڑی پُر درد آواز میں ایک اور گیت گایا اور پھر بولا، "اگر آپ کے عقل مند مشیر چاند کو نہیں چھپا سکے تو وہ یقیناً نہیں چھپ سکتا۔ مگر ایک بات ...... یہ کس نے بتایا کہ چاند کیسے حاصل کیا جائے۔ یقیناً حضور یہ شہزادی صاحبہ ہی تھیں۔ چناں چہ ثابت ہوا کہ شہزادی عالیہ آپ کے عقل مندوں مُشیروں سے زیادہ ذہین ہیں اور چاند کے متعلق ان سے زیادہ جانتی ہیں۔ چناں چہ میں انھی سے پوچھوں گا۔ اور اس سے پہلے کہ بادشاہ اسے روکتا وہ جلدی سے کمرے سے کھسک گیا اور شہزادی لی نور کے کمرے کو جانے والی خوب صورت سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ شہزادی بستر پر لیٹی تھی مگر وہ جاگ رہی تھی اور آسمان پر چمکتے ہوئے چاند کو کھڑکی میں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں وہ چاند چمک رہا تھا، جو مسخرے نے اسے لا کر دیا تھا۔ مسخرہ فوراً چہرے پر غم اور اُداسی پھیلا کر اندر داخل ہوا اور

جب وہ شہزادی کے پاس پہنچا تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھی چمک رہے تھے۔
"شہزادی صاحبہ! مجھے بتائیے کہ چاند آسمان پر کیسے چمکنے لگا جب کہ وہ آپ کی گردن میں سونے کی زنجیر میں لٹک رہا ہے۔"
شہزادی نے اس طرف دیکھا اور ہنسی، "یہ تو بہت آسان سی بات ہے بے وقوف، جب میرا ایک دانت ٹوٹ جاتا ہے تو ایک اور اس کی جگہ اُگ جاتا ہے۔ کیا ایسا نہیں ہوتا؟ اور جب شاہی مالی باغ میں پھول وغیرہ توڑ لیتا ہے تو نئے پھول ان کی جگہ لینے آ جاتے ہیں۔ ہے نا؟"
مسخرہ بولا، "مجھے اس کے متعلق سوچنا چاہیے تھا، کیوں کہ یہ تو روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔"
شہزادی سمجھاتے ہوئے بولی، "اور بالکل اسی طرح چاند کا معاملہ ہے۔ میں ہر چیز کے متعلق یہی خیال کرتی ہوں۔" شہزادی کی آواز ہلکی ہونا شروع ہو گئی اور ڈوبتی چلی اور جب مسخرے نے اسے دیکھا تو وہ گہری نیند سو چکی تھی۔

حکیم محمد سعید، بچّوں کی نظر میں

جناب حکیم محمد سعید صاحب کو بچّوں سے بڑی محبّت ہے۔ بچّے بھی حکیم صاحب سے محبّت کرتے ہیں ان کی تحریریں شوق سے پڑھتے ہیں۔ ان کے کاموں اور خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان سے تصویر منگواتے ہیں، ان سے آٹو گراف لیتے ہیں، ان کو خط لکھتے ہیں۔ بعض بچّے اُن سے ملے بھی ہیں اور بعض نے اُن کے انٹرویو بھی لیے ہیں۔ بڑے تو حکیم صاحب کے متعلق مضامین لکھتے رہتے ہیں، لیکن بچّوں کو موقع نہیں ملتا۔ اس لیے ہمیں خیال آیا کہ بچّوں کو موقع ملنا چاہیے کہ وہ حکیم صاحب کے متعلق اپنے تاثرات اور جذبات لکھیں۔ چناں چہ ۱۶ سال کی عمر تک کے بچّے حکیم صاحب کے متعلق اپنی تحریریں بھیجیں اُن میں سے ہم انتخاب کر کے ایک چھوٹی سی کتاب مرتب کریں گے۔ تحریریں زیادہ لمبی نہ ہوں۔ کاپی کے ۴-۵ صفحات سے زیادہ نہ ہوں تو اچھا ہے۔ بچّے اپنی تصویر (پیچھے نام لکھ کر) بھی ساتھ بھیج دیں اور اپنا پتا لکھنا نہ بھولیں۔

مدیر اعلا ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۱۸

سلسلے وار کہانی

آخری قسط

چالاک خرگوش

کرشن چندر

"اس میں آج کے بعد کوئی شبہ نہیں رہا۔ تم واقعی بہت عقل مند ہو۔" لومڑ نے جواب دیا، "اب تم جلدی سے جا کے خرگوش کو میری خبر کردو۔ میں اپنی چارپائی پر مُردے کی طرح لیٹ جاتا ہوں۔"

تھوڑی دیر کے بعد بھیڑیا خرگوش کے گھر پہنچا اور دروازے کو جو اندر سے بند تھا زور زور سے کھٹکھٹانے لگا۔

"کون ہے؟" اندر سے خرگوش کی آواز آئی۔

"ایک دوست۔"

خرگوش نے دیکھا کہ مسہری پر لومڑ مُرا پڑا ہے

"نام بتاؤ۔"

"بھائی خرگوش! بہت بڑی خبر سنانے آیا ہوں۔"

"کیا؟"

"آج صبح بے چارہ لومڑ مر گیا۔"

"تمھیں کیسے معلوم ہوا؟"

"میں خود اس کی لاش کو اس کے گھر میں دیکھ کے آیا ہوں۔ سو چا سب سے پہلے تمھیں خبر کر دوں۔ اب جا کے جنگل کے دوسرے جانوروں کو بتاتا ہوں۔ بے چارہ لومڑ بہت اچھا تھا۔"

یہ کہہ کر بھیڑیا وہاں سے بھاگ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد خرگوش نے آہستہ سے دروازہ کھولا۔ باہر جھانکا۔ جب کسی کو نہ پایا تو اپنے آپ سے کہنے لگا، اب لومڑ کے گھر تو جانا ہی پڑے گا کہ جنگل کی رسم ہی ایسی ہے، مگر ذرا ہوشیاری سے جانا چاہیے۔

تھوڑی دیر کے بعد خرگوش اپنے گھر سے نکلا اور جھاڑیوں سے ہوتا ہوا لومڑ کے گھر کے قریب پہنچ گیا۔ وہاں جا کے اس نے دیکھا کہ گھر کے اندر کوئی نہیں ہے۔ باہر بھی کوئی نہیں ہے۔ ایک کمرے میں ایک مسہری پر لومڑ مرا پڑا ہے۔ خرگوش چند منٹ تک اس کی طرف دیکھتا رہا، مگر لومڑ بالکل نہیں ہلا۔

خرگوش نے بلند آواز میں اپنے آپ سے کہا، "سچ۔ بے چارہ لومڑ مر گیا..... مگر یقین نہیں آتا کہ مر گیا ہے۔ دیکھو تو یہاں کوئی جانور بھی کفن وغیرہ کے انتظام کے لیے موجود نہیں ہے۔ جب کوئی جانور مرتا ہے تو بھیا گدھ تو فوراً پہنچ جاتے ہیں۔ مگر آج تو بھیا گدھ بھی نہیں ہیں۔ جانے بھئی یہ کس قسم کی موت ہے اور پھر ہم نے تو اپنے بزرگوں سے یہی سُنا ہے کہ جب کوئی جانور کسی دوسرے کو دیکھنے آتا ہے تو جو اصل مُردہ ہوتا ہے وہ اپنی پچھلی ٹانگ اُٹھا کر زور سے چیختا ہے اور کہتا ہے، قاہو!

مگر خرگوش کی یہ باتیں سُن کر بھی لومڑ بالکل نہیں بولا۔ اسی طرح چپ چاپ دَم سادھے ہوئے بستر پر مُردہ بنا پڑا رہا۔

خرگوش دو قدم اور آگے آیا۔ پھر اپنے آپ سے کہنے لگا، عجیب بات ہے، بھیا لومڑ بالکل مُردہ معلوم ہوتے ہیں، مگر مُردوں کا سا کام نہیں کرتے۔ مُردے تو جب کوئی انھیں دیکھنے آتا ہے

ہمیشہ اپنی پچھلی ٹانگ اُٹھا کے زور سے چلّاتے ہیں، قاہُو۔
تب لومڑ نے اپنی پچھلی ایک ٹانگ آہستہ سے اوپر اٹھائی اور چلّا کے کہا، "قاہو"۔
آواز سنتے ہی خرگوش نے کھڑکی سے باہر چھلانگ لگادی۔ اپنے گھر بھاگ گیا اور عقل مند بھیڑیے کی یہ چال بھی ناکام ہو گئی۔

ایک دن صبح سویرے میاں خرگوش گھومنے چلے۔ موسم بہت عمدہ تھا اور جھاڑیوں میں لال لال بیر بہت عمدہ اور میٹھے تھے۔ خرگوش نے بہت سے بیر کھائے۔ اتنے بیر کھائے کہ اس کے پیٹ میں درد شروع ہو گیا۔ درد کو دُور کرنے کے لیے خرگوش نے تیز تیز چلنا اور گانا شروع کر دیا:

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے
آخر اس درد کی دوا کیا ہے

خرگوش کو غالب کی غزلیں بہت پسند تھیں اور وہ انھیں جانوروں کی پک نِک میں

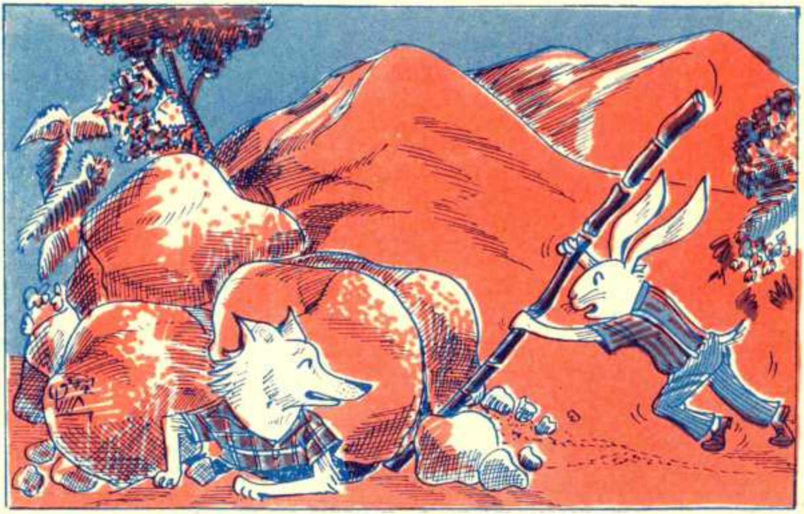

خرگوش نے لکڑی کی مدد سے چٹان کو بھیڑیے پر سے ہٹا دیا

گا کے سُنایا کرتا تھا۔ اس وقت وہ گاتے گاتے اپنے آپ میں اتنا کھو گیا کہ اسے معلوم نہ ہوا کہ کون اس کے سامنے سے گزرا اور کدھر گیا۔ تھوڑی دیر اسی طرح گانے اور بھاگنے کے بعد خرگوش کو راستہ بھی یاد نہ رہا۔ کدھر سے وہ آیا تھا اور کدھر کو جا رہا تھا۔ یہاں یہ راستہ دو سڑکوں میں بٹ جاتا ہے۔ ایک راستہ شمال کو جاتا تھا دوسرا مغرب کو۔ خرگوش نے سوچا کدھر کو جاؤں۔ اس نے جیب سے سکّہ نکال کے ہوا میں اُچھالا۔ اوپر سے اپنی ہتھیلی میں دبوچ کے اسے دیکھا اور مغرب کے راستے پر چل دیا، جدھر ندی بہتی تھی۔ خرگوش نے سوچا اتنی صبح ندی پر بھی کوئی نہ ہو گا۔ جلدی نہا دھو کر فارغ ہو جاؤں گا۔

چلتے چلتے یکایک اس کے کانوں میں آواز آئی "ارے میں مر گیا۔ مجھے بچاؤ، مجھے بچاؤ۔ میرا دَم نکلا جا رہا ہے۔"

خرگوش ٹھٹھکا، اس نے کان لگا کے سُنا۔ آواز نیچے سے چٹانوں کے نیچے سے جو راستہ جاتا تھا وہاں سے آ رہی تھی، مگر خرگوش ان دِنوں بہت ہوشیار ہو گیا تھا۔ اپنے بیوی بچّوں کے قتل کے واقعے کے بعد اب وہ ہر قدم پھونک پھونک کر رکھتا تھا۔ وہ آہستہ سے مُڑا۔ اپنے چاروں طرف دیکھا اور پھر سب سے اونچی چٹان جو اسے نظر آئی وہ اس کے اوپر چڑھ گیا اور وہاں اس نے نیچے کے راستے پر نگاہ ڈالی۔ اس نے دیکھا کہ نیچے دو بڑی چٹانوں کے بیچ میں بھیڑیا پھنس گیا ہے اور اوندھا پڑا ہے اور اس کے جسم پر ایک بہت بڑی چٹان گری پڑی ہے اور وہ چٹان کے بوجھ سے کُچلا جا رہا ہے اور درد سے چلّا کے کہہ رہا ہے، "ارے مجھے بچاؤ، کوئی مجھے بچاؤ، میرا دَم نکلا جا رہا ہے۔"

خرگوش کو حالات نے چالاک بنا دیا تھا، مگر طبیعت کا بہت نیک تھا۔ اس نے جو بھیڑیے کو اس حالت میں مرتے دیکھا تو اس سے رہا نہ گیا۔ اس نے وہیں اونچی چٹان سے چھلانگ لگائی اور چند منٹ میں نیچے بھیڑیے کے پاس پہنچ گیا۔ بھیڑیے نے خرگوش کو دیکھ کر بڑی منّت سماجت کی۔ کہا "خرگوش بھائی! خدا آپ کا بھلا کرے اس بڑے پتھر کو میرے اوپر سے ہٹا دیجیے۔ میں زندگی بھر آپ کا احسان نہ بھولوں گا۔"

خرگوش نے اِدھر اُدھر سے ایک بڑی لکڑی تلاش کی اور اس سے زور لگا کر چٹان کو بھیڑیے پر سے ہٹایا، پھر بھی بڑی مشکل سے بھیڑیا ان دو تنگ چٹانوں کے بیچ میں سے نکلا۔

خرگوش نے جوں ہی ہاتھ بڑھایا بھیڑیے نے اسے پکڑ لیا

بھیڑیے نے چٹانوں میں سے نکل کر اطمینان کا سانس لیا۔ اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر شکریہ ادا کرنے کے لیے اس نے خرگوش سے ہاتھ ملانے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ جوں ہی خرگوش نے اپنا ہاتھ بڑھایا، بھیڑیے نے جھٹ سے اسے پکڑ لیا اور اس کی گردن دبوچ لی۔

"کیا کرتے ہو، کیا کرتے ہو۔" خرگوش خوف سے چلّایا۔

بھیڑیا زور زور سے ہنسا، "آج تم میرے قابو میں آئے ہو۔ آج میں تمھیں کچّا کھا جاؤں گا۔"

"کیا میرے احسان کا یہی بدلا ہے؟" خرگوش نے پوچھا۔

بھیڑیے نے ہنس کر طنز سے کہا، "پہلے تو میں تمھارا شکریہ ادا کروں گا، پھر تمھیں کچّا کھا جاؤں گا۔"

خرگوش نے خفا ہو کے کہا، "اگر تم ایسی باتیں کروگے تو میں آیندہ کبھی تمھاری مدد نہیں کروں گا۔"

بھیڑیے نے قہقہہ لگایا۔ بولا، "آج کے بعد تم میری کیا، کسی کی بھی مدد نہیں کرسکو گے۔"

خرگوش نے سوچ سوچ کے کہا، "جنگل کا قانون ہے، جو تمھاری جان بچائے تم اس کی جان

نہیں لے سکتے۔"
بھیڑیے نے کہا "مجھے اس میں شبہ ہے کہ جنگل کا کوئی ایسا قانون ہو سکتا ہے۔"
خرگوش نے کہا "یقین نہ آئے تو چل کے بھائی کچھوے سے پوچھ لو، اس ماہ کے جج تو وہی ہیں۔"
جنگل میں ہر مہینے نیا جج مقرر کیا جاتا ہے۔ اتفاق سے اس مہینے کا جج کچھوا تھا۔ بھیڑیے نے کہا "چلو جج صاحب کے پاس چلو۔"
خرگوش اور بھیڑیا دونوں کچھوے کے پاس گئے، لیکن بھیڑیے نے خرگوش کو گردن سے نہ چھوڑا۔ کچھوے کے ہاں جا کے خرگوش نے اپنی کہانی سنائی۔ بھیڑیے نے اپنی۔
کچھوے نے دونوں کی باتیں سُن کر اپنا چشمہ صاف کیا، اسے آہستہ سے اپنی ناک پر رکھا، کھانس کر اپنا گلا صاف کیا اور پھر بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا:
"میں اس طرح کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ مجھے وہ جگہ دیکھنی پڑے گی، جہاں یہ سب قصّہ ہوا۔ تم لوگ مجھے اُٹھا کے موقعے پر لے چلو جہاں یہ واردات ہوئی۔"
بھیڑیے نے کچھوے کو اپنی پیٹھ پر سوار کر لیا، لیکن خرگوش کو پھر بھی گردن سے پکڑے رکھا۔ چلتے چلتے وہ لوگ اس جگہ پر پہنچ گئے۔ کچھوے نے آہستہ سے چاروں طرف دیکھا، ناک پر عینک کو درست کیا اور بھیڑیے سے کہا "ہاں اب بیان کرو۔"
"بیان کیا کروں" بھیڑیے نے بڑی بے تابی سے کہا، کیوں کہ وہ خرگوش کو جلد سے جلد کھا جانا چاہتا تھا۔ "میں یہاں لیٹا تھا دو چٹانوں کے بیچ میں۔ ایک چٹان میرے اوپر گری تھی۔ خرگوش یہاں کھڑا تھا۔ اُس نے لکڑی سے چٹان کو ہٹایا۔ میں اُٹھ کھڑا ہوا اور خرگوش کو پکڑ لیا۔ خرگوش میرا شکار ہے۔ میں اسے کھاؤں گا۔" بھیڑیے نے یہ کہہ کر خرگوش کی گردن زور سے دبائی۔
"ٹھیرو، ٹھیرو، مجھے یاد کر لینے دو۔" کچھوے نے آہستہ سے کہا، "تم یہاں کھڑے تھے، چٹان یہاں بیٹھی تھی۔"
"میں نہیں کھڑا تھا، میں لیٹا تھا۔ یہاں، نیچے، چٹان، یہاں، اوپر۔"
"اچھا، اچھا سمجھا۔ تم اوپر، چٹان تمھارے نیچے، خرگوش تم دونوں کے بیچ میں آ گیا۔ پھر لکڑی کہاں گئی۔"

"اوہو۔" بھیڑیے نے پریشان ہو کے کہا" کیسے تمھیں سمجھاؤں، جتنا آہستہ چلتے ہو۔ اتنا ہی آہستہ سمجھتے بھی ہو، سنو۔ میں اوپر نہیں تھا، چٹان میرے اوپر تھی۔ میں نیچے لیٹا تھا اور دو چٹانوں میں پھنس گیا تھا۔"

"اچھا اچھا ٹھیک ہے، اب سمجھ میں آگیا، تم یہاں لیٹے تھے، خرگوش یہاں کھڑا تھا اور چٹان تم دونوں کے بیچ پھنس گئی تھی۔"

"چٹان نہیں پھنسی تھی، میں پھنس گیا تھا۔" بھیڑیے نے غصّے سے چلّا کے کہا۔

کچھوے نے کہا" عدالت میں چلّانا منع ہے۔ میں تم پر جرمانہ کروں گا۔ عدالت کو جب تک حالات ٹھیک طرح سے نہ معلوم ہوں گے عدالت کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔ مجھے کچھ پتا ہی نہیں چلتا۔ کبھی تم اوپر آتے ہو، کبھی چٹان نیچے جاتی ہے، کبھی خرگوش چٹان کو ہٹاتا ہے۔ کبھی لکڑی غائب ہو جاتی ہے۔"

بھیڑیے نے کچھوے سے کہا" دیکھیے میں آپ کو بتاتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے خرگوش کو چھوڑ دیا اور خود دو چٹانوں کے بیچ میں لیٹ گیا۔

کچھوے نے فیصلہ سُنایا" تم جس کام سے جا رہے تھے وہیں جاؤ، بھیڑیا جس کام سے چٹان کے پیچھے تھا وہیں رہے۔"

"دیکھیے میں یہاں پھنسا تھا۔ سمجھ میں آیا؟"

"ٹھیک ہے؟" کچھوے نے سر ہلا کے کہا۔

"میرے اوپر چٹان تھی۔"

"کیسے؟" کچھوے نے پوچھا۔

خرگوش نے لکڑی لے کر چٹان کو بھیڑیے کے سینے پر چڑھا دیا اور کہا، "ایسے۔"

بھیڑیے نے لیٹے لیٹے سر ہلا کے کہا، "ہاں ایسے! اب سمجھ میں آیا؟"

کچھوے نے آہستہ سے سر ہلایا، جیسے اس کی سمجھ میں کچھ نہ آرہا ہو۔ وہ آہستہ سے چٹان کے چاروں طرف گھوما۔ جس کے نیچے بھیڑیا پڑا تھا۔

بھیڑیے نے کہا، "جلدی کرو۔ میرا دم رُکا جارہا ہے۔"

مگر کچھوے نے اس کی طرف توجہ نہ دی۔ اس نے چٹان کے اوپر چڑھ کر اسے چاروں طرف سے ٹٹولا۔ پھر وہ الگ الگ کونے میں بیٹھ کر اپنی چھڑی سے ریت میں کچھ نشان بنانے لگا اور انگلیوں پر کچھ گننے لگا اور کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

بھیڑیے کا واقعی اب دَم رُک رہا تھا۔ اس نے چلّا کے کہا،

"جلدی کرو، جلدی سے اپنا فیصلہ سناؤ۔ میں چٹان کے نیچے کچلا جا رہا ہوں۔"

کچھوا آہستہ سے اُٹھا۔ اس نے ناک پر اپنے چشمے کو ٹھیک کیا۔ اس نے غصّے سے خرگوش کی طرف دیکھا اور کہا، "یہ سب تمھارا قصور ہے۔"

خرگوش کانپ گیا۔

کچھوے نے کہا، "جب تم صبح اس راستے سے گزرے تو کس کام سے جا رہے تھے؟"

خرگوش نے کہا، "جی میں ندی میں نہانے جا رہا تھا۔"

کچھوے نے کہا،

"تم اپنے کام سے جا رہے تھے اور بھیڑیا یہاں کچھ اپنا کام کر رہا ہو گا۔ کسی جانور کو کسی دوسرے کے کام میں دخل دینے کا حق نہیں ہے۔ میرا فیصلہ یہی ہے۔ تم اپنے جس کام سے جا رہے تھے۔ وہیں چلے جاؤ۔ بھیڑیا جس کام سے اس چٹان کے نیچے پڑا تھا وہ وہیں رہے اور اپنا کام کرے بس!"

خرگوش بھاگتا ہوا ندی کی طرف خوشی خوشی چلا۔ کچھوا بھی اس کے ساتھ ہولیا۔ بھیڑیا زور زور سے چیخنے لگا:

"ارے میں مرا، مجھے بچاؤ۔ اب میں کچھ نہ کہوں گا۔ کسی کو نہ ستاؤں گا۔ اس دفعہ مجھے معاف کر دو۔"

مگر دونوں دوست کچھ نہ بولے، اپنے راستے پر چلتے گئے۔ بھیڑیا وہیں اسی طرح چیختا چلّاتا رہا۔ شام کو لومڑ، ریچھ اور چیتے نے اسے آکے وہاں سے نکالا۔ اُس دن سے بھیڑیے نے کانوں کو ہاتھ لگایا، "اب کبھی خرگوش کو نہ ستاؤں گا۔"

چناں چہ اس دن سے خرگوش بھیڑیے سے محفوظ ہو کر بڑے آرام سے جنگل میں رہنے لگا۔

(کہانی ختم ہوئی)

جاگو جگاؤ

دوسرا ایڈیشن شائع ہو گیا

حکیم محمد سعید اپنے مقبول کالم جاگو جگاؤ میں بڑے کام کی باتیں لکھتے ہیں اور بچے بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ دس سال کے کالموں سے انتخاب کر کے مسعود احمد برکاتی نے جو کتاب مرتّب کی تھی، اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے۔

اس خوب صورت کتاب کی قیمت صرف ۵ رُپے ہے۔

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، ہمدرد سنٹر، ناظم آباد، کراچی ۱۸

جسم میں چربی

س: کیا یہ صحیح ہے کہ چربی جسم میں زیادہ ہو تو عمر کم ہو جاتی ہے؟

سید ساجد علی زیدی، ٹنڈو محمد خان

ج: اگر جسم میں چربی زیادہ ہے اور مٹاپا ہو گیا ہے تو ایسی صورت میں دل کو زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔ اگر آپ صاف سڑک پر سائکل چلائیں تو سائکل تیز چلے گی، اگر کچّی مٹی میں سائکل دوڑائیں تو رفتار سُست ہو گی اور زور بھی زیادہ لگانا پڑے گا۔ اس مثال سے اندازہ لگائیے کہ جب خون کی رگیں چربی میں دبی ہوں گی تو ان میں خون گزارنے کے لیے دِل کو زیادہ طاقت سے پمپ کرنا ہو گا۔ دل کی عمر پر انسان کی عمر کا انحصار ہے۔ زیادہ کام کرنے سے دل کی عمر کم ہو گی تو انسان کی عمر بھی کم ہو گی۔

دائمی قبض

س: میری عمر پندرہ سال ہے۔ مجھے دائمی قبض کی بیماری ہے اور پیٹ بھی تھوڑا بڑھا ہوا ہے۔ خدا کے لیے کوئی علاج بتائیں۔ بہت دوائیں استعمال کیں، لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا

زاہد اعوان

ج: قبض کا علاج یہ ہے کہ جسم کو حسبِ ضرورت پانی پی کر اُسے سیراب کرنا سیکھیے۔ اکثر لوگ جسم کی ضرورت کے مطابق پانی نہیں پیتے۔ ان کو لازماً قبض ہو گا۔ ہمارا جسم ایک مشین ہے۔ آنتیں اُس کا پرزہ ہیں۔ آنتوں کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ چلتی ہیں، اپنی آنتوں کو پورا پانی دیجیے۔

پیٹ کا بڑھنا، پھول جانا اور توند نکل آنا یقیناً اچھی بات نہیں ہے۔ آپ پیٹ کی کوئی ورزش کریں۔ چلتے کم ہوں تو زیادہ چلا پھرا کریں۔

چہرہ جل گیا ہے

س: میرے چہرے پر بغیر پانی ملا ہوا خالص سرکہ لگ گیا ہے، جس سے میرا چہرہ جل گیا ہے اور کالا نشان پڑ گیا ہے۔ اُس پر دوا لگا رہی ہوں، لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں نشان رہ نہ جائے۔ ج۔س۔سکھر

ج: اب یہ بات تو واضح ہو گئی کہ جو سرکہ آپ کے چہرے پر لگا وہ خالص نہیں تھا، بلکہ اُسے تیزاب کی مدد سے بنایا گیا تھا۔ خیر اب جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ تکلیف آپ کے حصّے میں آئی اور عذاب سرکہ بنانے والے کو ملا۔ ہم اس ملاوٹ کو زوالِ اخلاق کا نام دے سکتے ہیں، یعنی ہمارا اخلاق اس درجے خراب ہو گیا ہے کہ اب ہم کھانے پینے کی چیزوں میں بھی احتیاط کا دامن نہیں پکڑتے۔ ہم نے آوازِ اخلاق کی تحریک اسی لیے چلائی ہے کہ اخلاقی قدریں بحال کی جائیں۔

آپ چہرے کے نشان پر صرف دہی کی بالائی رات کو مل کر سو جائیے۔ اس سے یہ نشان جاتا رہے گا۔ مرہمیں نہ لگائیے، ان سے داغ کے پختہ ہو جانے کا اندیشہ رہے گا۔

بہت کم زور ہوں

س: میری عمر ساڑھے چودہ سال ہے۔ میں بہت ہی کم زور ہوں بازو اور ٹانگیں بھی پتلی ہیں۔ جسم پر گوشت بالکل نہیں چڑھتا۔ امیر الطاف، کراچی

ج: اب میں کیسے آپ سے کہوں کہ آپ گوشت زیادہ کھایا کریں۔ بھئی ایک تو یہ ہے کہ گوشت بڑا مہنگا ہو گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ نہ جانے کیسے جانور کا ہے اور پھر یہ کہ نہ جانے کتنا باسی ہے۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ آپ احتیاط نہیں کرتے ہیں۔ اگر کھانے پینے کا وقت مقرر نہیں ہے اور متوازن غذا نہیں ہے تو اس سے جسم کا نشوونما متاثر ہو سکتا ہے۔ آپ ذرا بادام، کشمش کا نسخہ آزمائیے۔ ۱۲ بادام اور ۲۵ گرام کشمش رات کو بھگو دیں۔ صبح اُسے دودھ کے ساتھ کھالیں۔ آپ کے جسم کو حیاتین (وٹامنز) کی ضرورت بھی ہے۔ ایک مالٹا روز کھا لیا کریں اور صبح ذرا سی ورزش بھی کرنی چاہیے۔

سر چکرانے لگتا ہے

س: میری عمر ۱۳ سال ہے۔ میں جب پڑھ کر یا کسی جگہ بیٹھ کر اٹھتا ہوں تو میرا سر چکرانے لگتا ہے اور آنکھوں کے نیچے اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اگر اس کا کوئی علاج ہو تو بتائیے۔

محمد شفیق، کراچی

ج: یہ کم زوری کی واضح علامت ہے۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ آپ کے خون کا دباؤ کم ہو جاتا ہو گا۔ جب صحت اچھی نہیں ہوتی ہے تو دورانِ خون بھی سُست ہو جاتا ہے۔ سر کی طرف خون کی روانی کم ہو جاتی ہے۔ اس سے بھی چکر آجاتے ہیں۔ آپ اپنی صحت پر توجہ کریں اور زیادہ سے زیادہ سبزیاں استعمال کریں۔ اگر صبح ناشتے میں ایک انڈا اور دودھ لیں تو اس سے فائدہ ہو گا۔

دانتوں میں کیڑا

س: دانتوں میں کیڑا کیسے لگتا ہے؟ عامر حسین صدیقی، کراچی

ج: دانتوں میں کیڑا اس لیے لگتا ہے کہ ہمارے اکثر نونہال دانتوں کی صفائی سے غفلت برتتے ہیں۔ رات کو خوب مٹھائی کھائی اور کھانا کھایا اور بغیر دانت منھ صاف کیے سو گئے۔ بس یہی غضب ہے۔ دانتوں کی ریخوں میں جو غذا پھنسی رہ گئی وہ رات بھر سڑتی رہی اور جو مٹھاس ہے اُس میں جراثیم پلتے رہے۔ اس سے دانت متاثر ہوتے ہیں اور ان میں کیڑا لگ جاتا ہے۔ بچّوں کو چاہیے کہ صبح ناشتے کے بعد اور رات سوتے وقت لازماً دانت منھ صاف کیا کریں، ورنہ دانت خراب ہو جائیں گے اور دانت خراب ہوئے تو پھر صحت تو ضرور خراب ہو گی۔

دانتوں میں پیلی لکیر

س: عمر ۱۵ سال۔ میرے اوپر کے دو دانتوں میں پیلی لکیر ہے۔ میں روز برش کرتا ہوں، مگر یہ صاف نہیں ہوتی۔ میں نے اس لکیر کو ایک کھردری چیز سے کھرچنا چاہا، لکیر تو نہیں مٹی البتہ میرے مسوڑے ضرور کٹ گئے۔ اس بدنما اور پیلی لکیر کی وجہ سے میں سخت احساسِ کم تری میں مبتلا ہوں۔ خدارا کوئی علاج بتائیے اور یہ بھی بتائیے کہ آپ کی تجویز کردہ دوا کہاں ملے گی۔

افسر علی، کراچی

ج : عزیزمن! بہ ظاہر یہ لکیر قسمت کی لکیر ہے، یعنی آپ کے دونوں دانتوں کی بناوٹ ہی ایسی ہے، یہ قدرتی ہے اور شاید اسی طرح رہے گی۔ اس لکیر کو احساسِ کم تری کی وجہ بنا لینا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ اچھا ہے کہ آپ اسے بھول جائیے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجیے کہ آپ کے دونوں دانت ہیں اور آپ ان کی مدد سے سخت چیزوں کو کُتر سکتے ہیں اور کھا پی سکتے ہیں۔

میں کم زور ہوں

س: میں بہت کم زور ہوں، میرے بازو بہت پتلے ہیں، تھوڑی دُور دوڑتا ہوں تو طبیعت خراب ہو جاتی ہے اور سانس پھولنے لگتا ہے۔ کوئی علاج بتائیے۔ فاروق باجوہ، کراچی

ج : آپ کو اپنا طبی معائنہ کرانا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کا دل متاثر ہو۔ اکثر ہمارے ہاں ایسا ہوتا ہے کہ بچے موتی جھرا (ٹائی فائڈ) میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور نہ ماں باپ کو پتا چلتا ہے اور نہ معالجین کو خبر ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس بخار کا اثر دل پر ہوتا ہے اور پوری طرح صحت مند ہونے سے پہلے چلنے پھرنے، دوڑ لگانے سے دل بڑھ جاتا ہے یا اس کا فعل خراب ہو جاتا ہے۔ ایسے بچے کم زور ہو جاتے ہیں۔ اُن کا سانس پھولنے لگتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے ساتھ ایسا کوئی حادثہ پیش نہ آیا ہو، مگر پھر بھی احتیاط مناسب ہے۔

نہر کے پانی سے پتھری

س: کیا یہ درست ہے کہ نہر کا پانی پینے سے، جس میں مٹی کی مقدار زیادہ ہوتی ہے یا گرد و غبار میں کھیلنے سے گُردے میں پتھری پیدا ہو جاتی ہے؟

محسن رجب علی، نواب شاہ

ج : پینے کے پانی کے لیے یہ نہایت اہم شرط ہے کہ اسے صاف اور پاک ہونا چاہیے۔ اگر پانی ناصاف ہے اور ناپاک ہے تو یقیناً اُسے صاف کیے بغیر نہیں پینا چاہیے۔ دنیا کے بہت سے ملک ایسے ہیں کہ جہاں صاف پانی میسّر نہیں ہے اور اسی وجہ سے وہاں کے لوگوں کی صحت خطرے سے دوچار رہتی ہے۔ نہر کا ایسا پانی کہ جس میں مٹی ملی ہو پینے سے گُردوں میں پتھری بن جانے کا قوی امکان ہے۔ البتہ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ گرد و غبار میں کھیلنے سے پتھری پیدا ہوتی ہے۔

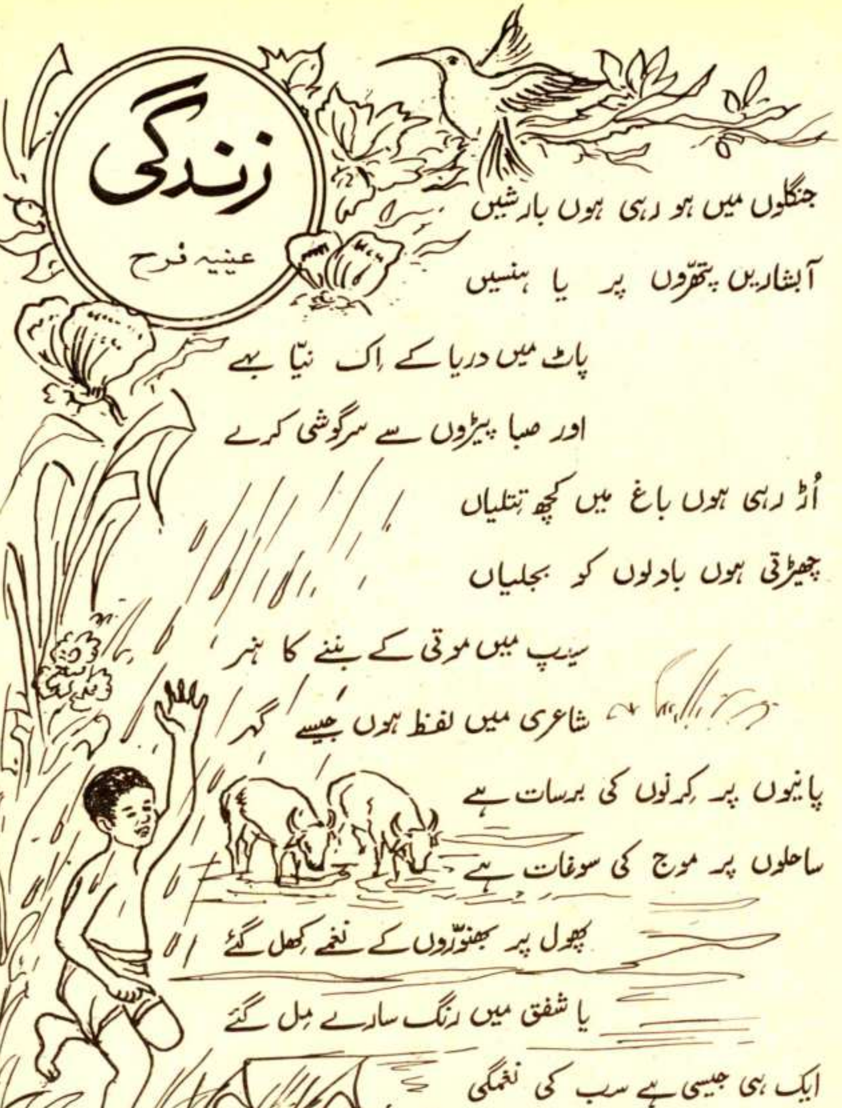

زندگی

عینیہ فرح

جنگلوں میں ہو رہی ہوں بارشیں
آبشاریں پتھروں پر یا ہنسیں
پاٹ میں دریا کے اِک نیا بہے
اور صبا پیڑوں سے سرگوشی کرے
اُڑ رہی ہوں باغ میں کچھ تتلیاں
چھیڑتی ہوں بادلوں کو بجلیاں
سیپ میں موتی کے بننے کا ہنر
شاعری میں لفظ ہوں جیسے گہر
پانیوں پر کرنوں کی برسات ہے
ساحلوں پر موج کی سوغات ہے
پھول پر بھنوروں کے نغمے کھل گئے
یا شفق میں رنگ سارے مل گئے
ایک ہی جیسی ہے سب کی نغمگی
ہر نفس میں دوڑتی ہے زندگی

بوجھو تو جانیں

فرض کیجیے مندرجہ ذیل جانوروں کے درمیان دوڑنے کا مقابلہ ہوتا ہے۔ کیا آپ ان جانوروں کے نام سے واقف ہیں اور کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ان جانوروں میں اوّل، دوم اور سوم کون آئے گا؟ اپنے جواب لکھ رکھیے اور آئندہ شمارے میں جو جوابات شائع ہوں اُن سے ملائیے۔

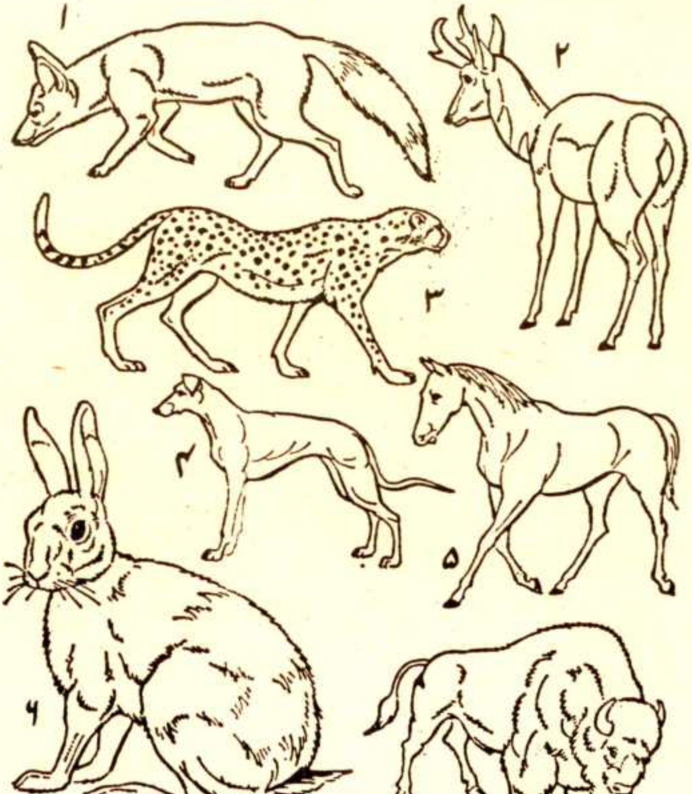

ہمدرد اِنسائکلوپیڈیا

س: سِول انجینیر نگ میں کیا کیا چیزیں شامل ہیں؟ ایک سول انجینیر کیا کیا کام کرتا ہے؟

ارشد جہانگیر عزیز، کراچی

ج: انجینیروں کی بہت سی قسمیں ہیں، لیکن جو انجینیر عمارتیں تعمیر کرتا ہے، پل اور سڑکیں بناتا ہے، ڈیم بناتا ہے اور اسی قسم کے شہری ترقی کے کام کرتا ہے، اُسے سِول انجینیر کہتے ہیں۔ وہ نقشوں کو سمجھتا ہے، مختلف اشیا کی قوت جانتا ہے اور عمارتیں تعمیر کرنے کے فن سے واقف ہوتا ہے۔ وہ اپنی نگرانی میں چھوٹی بڑی عمارتیں، سڑکیں، پل، ڈیم اور دوسری بلڈنگ تعمیر کراتا ہے۔

س: پھول پودے کے کس حصّے سے خوش بُو حاصل کرتا ہے؟ طاہرہ مبین، کراچی

ج: پھول پودے کا حصّہ ہوتے ہیں اور پودے کے ڈنٹھل سے غذا حاصل کرتے ہیں۔ پودے کو جو غذا اپنی جڑ کے ذریعہ سے زمین سے اور جسم کے ذریعہ سے دھوپ اور ہوا سے حاصل ہوتی ہے، پھول بھی اُسی سے اپنا حصّہ لیتے ہیں۔ پھول کی نشوونما ہوتی ہے اور جب وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ اُس میں خوش بُو پیدا ہو جائے تو اندرونی طور پر اُس میں خوش بُو آجاتی ہے۔

س: شہابِ ثاقب زمین پر زیادہ کیوں نہیں گرتے؟ محسن رجب علی، نواب شاہ

ج: شہابِ ثاقب تو سیکڑوں کی تعداد میں ہر منٹ زمین پر گرتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ

وہ ہمارے کُرہ ہوائی سے رگڑ کھا کر جل بُھن کر راکھ ہو جاتے ہیں اور اُن کی راکھ ہی ہم تک پہنچتی ہے۔ ہمارے لیے یہ اچھا ہی ہے، کیوں کہ اگر ٹھوس شہاب ہم سے آکر ٹکرائیں تو انجام ظاہر ہے۔

س: سونا چاندی کیسے بنتے ہیں، نیز ہمیں یہ چیزیں کس طرح حاصل ہوتی ہیں؟

زرقا بھٹی، کراچی

ج: سونا چاندی دھاتیں ہیں۔ وہ بنائی نہیں جاتیں، بلکہ قدرتی طور پر زمین میں پائی جاتی ہیں۔ انھیں کانوں سے اُسی طرح نکالا جاتا ہے، جیسے دوسری دھاتیں نکالی جاتی ہیں۔

س: آسمانی بجلی زمین پر گرنے کے بعد کہاں چلی جاتی ہے؟ کیا سائنس داں آسمانی بجلی کو کام میں لانے کی کوشش کر رہے ہیں؟

شاہ منیر فاضل، جنگ شاہی

ج: زمین بجلی کا اچھا موصل (کنڈکٹر) ہے۔ آسمانی بجلی گرنے کے بعد زمین میں چلی جاتی ہے اور غائب ہو جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے اس طرح ہماری زمین کو طاقت ملتی ہے اور اس کی پیداوار کم زور نہیں ہونے پاتی۔ سائنس داں آسمانی بجلی کو کام میں لانے کی کوشش تو کر رہے ہیں، لیکن ابھی تک اس سلسلے میں کوئی خاص کام یابی حاصل نہیں ہوئی۔ آسمانی بجلی کا وولٹیج بہت زیادہ ہوتا ہے۔

س: ہمیں ریڈیو اور ٹی وی پر آواز کیسے سنائی دیتی ہے؟

محمد عرفان، کراچی

ج: ہم جس آلے میں بولتے ہیں، یعنی مائیکروفون، اُس کے ذریعہ سے آواز کی لہریں برقی ارتعاشات میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور یہ ارتعاشات زبردست رفتار سے چاروں طرف نشر ہو جاتے ہیں۔ جب وہ ایریل یا اینٹینا کے ذریعہ سے ریڈیو یا ٹیلے وژن سیٹ میں داخل ہوتے ہیں تو یہاں برعکس انتظام ہوتا ہے، یعنی برقی لہریں پھر آواز کی لہروں میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور یوں ہم اصل آوازیں سُن لیتے ہیں۔

س: عدسہ کسے کہتے ہیں؟ سیف اللہ خالد، پیپلان

ج: عدسہ یا لینس (LENS) شیشے کا وہ گول ٹکڑا ہوتا ہے، جسے خاص طریقے سے تراشا جاتا ہے۔ وہ دُور سے آنے والی شعاعوں کو ایک جگہ جمع بھی کر سکتا ہے اور انھیں منتشر بھی کر سکتا ہے۔ اس کا دارومدار عدسے کی بناوٹ پر ہوتا ہے۔ پہلا عدسہ مُحدّب (CONVEX) کہلاتا ہے۔ وہ بیچ میں سے موٹا اور کناروں پر پتلا ہوتا ہے۔ دوسری قسم کا عدسہ "مُقعّر" (CONCAVE) کہلاتا ہے۔ وہ بیچ میں سے پتلا اور کناروں پر موٹا ہوتا ہے۔ عدسوں کی اور بھی قسمیں ہیں۔

س: یہ بتائیے کہ حال ہی میں مغربی ممالک کے چھوڑے جانے والے سیّارے اور شٹلز SHUTTLES سے کیا نتائج برآمد ہونے کے امکانات ہیں؟ ثاقب سلیم، کراچی

ج: مقصد سب کا ایک ہے اور وہ یہ کہ انسان زمین سے نکل کر دوسری دنیاؤں میں پہنچنا چاہتا ہے۔ یہ تمام تجربات اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ سائنس داں احتیاط سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ ان تجربوں میں کوئی انسانی جان ضائع ہو، اس لیے سیارچوں کے ذریعے سے خلا کا جائزہ لے رہے ہیں۔ خلا باز خلا میں زیادہ سے زیادہ عرصے تک قیام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ خود کار آلات سے وہاں کے حالات کا جائزہ لیا جا رہا ہے اور یہ جاننے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ وہاں انسان آرام سے زندہ رہ سکتا ہے یا نہیں۔

س: ہمیں زمین کی گردش محسوس کیوں نہیں ہوتی؟ نیز ہم زمین کی گردش کو کیسے محسوس کر سکتے ہیں۔ راشد، راول پنڈی

ج: اگر کسی بڑی گیند پر کوئی چیونٹی بیٹھی ہو اور گیند کو گھمایا جائے تو چیونٹی کو نہ تو گیند کی گردش محسوس ہوگی اور نہ گولائی۔ یہی صورت ہماری ہے۔ ہم زمین کے مقابلے میں اتنے چھوٹے ہیں کہ ہمیں اُس کی گردش محسوس نہیں ہوتی، البتہ خلا میں جس طرح وہ اپنی جگہ بدلتی ہے، جس طرح دن رات اور موسم تبدیل ہوتے ہیں۔ ان سب سے ہم زمین کی گردش کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

س: آسمان اور بادل میں کیا فرق ہے؟ محمد انجم، کراچی

ج: آسمان اُس حدِ نظر کو کہتے ہیں جہاں واپس جانے والی شعاعیں مل کر ایک نیلی چادر جیسی تانے ہوئے ہیں۔ اس کی بلندی کا تعیّن نہیں کیا جا سکتا، لیکن بادل وہ ابخرات ہوتے ہیں جو زمین سے بلند ہو کر خنکی کی وجہ سے جم جاتے ہیں اور پانچ چھے ہزار فیٹ کی بلندی پر پائے جاتے ہیں۔ اُن سے ہمیں بارش حاصل ہوتی ہے۔

س: ٹیلے فون کے لیے کون سی بجلی استعمال کی جاتی ہے؟

محمد قدرت اللہ بیگ آفندی، میرپور خاص

ج: ڈی سی یا ڈائریکٹ کرنٹ۔

س: سمندری جہاز بڑے اور وزنی ہونے کے باوجود ڈوبتے کیوں نہیں؟

محمد حنیف، کراچی

ج: اُن کی شکل ایسی بنائی جاتی ہے کہ وہ بہت سا پانی ہٹا کر اپنی جگہ بنا لیتے ہیں اور اُصولِ ارشمیدس کے مطابق کام کرتے ہیں، یعنی جب کسی جسم کو پورے طور پر یا جزوی طور پر پانی میں ڈبویا جاتا ہے تو اُس کے وزن میں اُس پانی کے وزن کے بہ قدر کمی ہو جاتی ہے۔ جو اُس کی وجہ سے اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے۔

س: جب ہم چھڑی یا کوئی اور چیز پانی میں ڈبوتے ہیں تو وہ ٹیڑھی کیوں معلوم ہوتی ہے؟

محمد نوید احمد، کراچی

ج: روشنی کے اِنعطاف (لوٹنے) کی وجہ سے۔ پانی ہوا کے مقابلے میں زیادہ کثیف ہوتا ہے۔ چھڑی کے ڈوبے ہوئے حصّے سے جو شعاعیں باہر ہماری آنکھ تک آ رہی ہیں، وہ کثیف واسطے سے لطیف واسطے، یعنی ہوا میں آتے ہوئے عمود سے دُور ہٹ جاتی ہیں اور ٹیڑھی ہو جاتی ہیں، لیکن ہم سیدھا دیکھتے ہیں۔ اس وجہ سے ہمیں چھڑی یا پانی میں پڑا ہوا سکّہ اُس جگہ نظر نہیں آتا جہاں وہ واقعی ہے۔ چھڑی بھی اسی وجہ سے ٹیڑھی نظر آتی ہے۔

نونہال مصوّر

عادل انور انصاری، حیدرآباد

محمد سلیم ہمدم، پپلاں

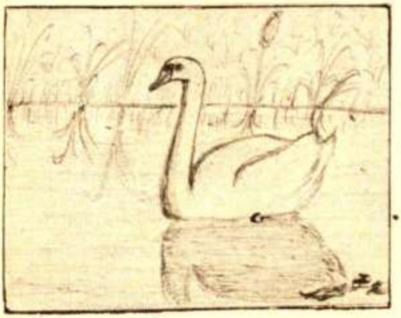

عبدالستار محبوب بلوچ، کراچی

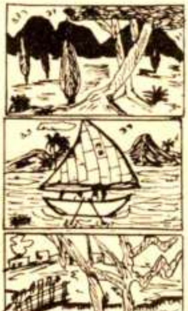

مسعود بدر صدیقی، لیہ

ندیم اختر، کراچی

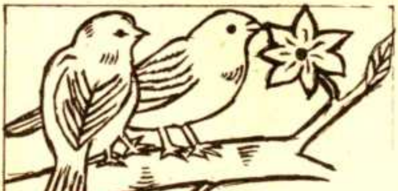

صفدر کمال، حیدرآباد

صحت مند نونہال

دس سال سے کم عمر صحت مند نونہالوں کی تصویریں

سعدیہ نور، کراچی

محمد فیصل جنجوعہ، لالہ موسیٰ

شہناز پروین حسن، کراچی

محمد شکیل، اسلام آباد

محمد علی، کراچی

فائق احمد ظفر، سکھر

سید احمر ہاشمی، کراچی

منیر احمد اعوان، کراچی

نگینہ جہان، تربت

عبدالمعید خان، بہاول نگر

صائمہ رفعت، کراچی

ارشاد احمد، کراچی

عبداللہ بلوچ، گوادر

محمد ناصر قریشی، لاڑکانہ

آؤ، اپنے بڑوں سے ملنے کا شرف حاصل کریں

عزیز نونہالو! دعائیں۔

ماہ نامہ ہمدرد نونہال کے ذریعہ سے آپ ہر ماہ اپنے بزرگوں سے غائبانہ ملتے رہتے ہیں۔
اب ہم ایسا پروگرام بنا رہے ہیں کہ ہمارے نونہال براہِ راست اپنے بڑوں سے اور قوم کے بڑوں سے شرفِ ملاقات حاصل کریں۔

شاہ راہ فیصل، کراچی پر ایک بڑے ہوٹل میں ہم ہر مہینے، ہر پندرہ دن کے بعد اور ممکن ہوا تو ہر ہفتے ہمدرد نونہال پڑھنے والے نونہالوں کو جمع کریں گے۔ ہر بار تمام نونہالوں کو جمع کرنا تو شاید مشکل ہوگا، اس لیے ہر بار ان کی ایک مقررہ تعداد کو بلائیں گے اور ان کو ایسی شخصیتوں سے ملائیں گے جنھوں نے محنت سے کسی علم یا فن میں کمال حاصل کیا ہے، تاکہ نونہال بھی ان کی مثال پر عمل کر کے آگے بڑھیں۔

ہمیں حسبِ ذیل فارم پُر کر کے ہمدرد نونہال، ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸ کے پتے پر جلد از جلد بھیج دیں تاکہ آپ کا نام مدعوئین کی فہرست میں شامل کر لیا جائے۔

کوپن بزم ہمدرد

نام ______

والد صاحب کا نام ______

تاریخِ پیدائش ______

گھر کا پورا پتا جہاں خط پہنچ جائے ______

درس گاہ کا نام اور پتا ______

نام صدر درس گاہ ______

ہمدرد نونہال کتنے عرصے سے پڑھ رہے ہیں ______

پھوڑے پھنسی اور
خارش کا ایک علاج
مگر فسادِ خون سے بچنے کے لئے صافی بہتر ہے
خون میں سرایت کئے ہوئے فاسد مادے
پھوڑے پھنسیوں اور کئی دوسری جلدی بیماریوں
کو جنم دیتے ہیں۔ ان سے بچنے کے لئے صافی باقاعدگی
کے ساتھ استعمال کیجئے۔ خون کی صفائی اور جلدی
بیماریوں سے محفوظ رہنے کا مفید ذریعہ ہے۔
جڑی بوٹیوں
سے تیار شدہ
صافی
ہمدرد
SAFI
صافی
THE BLOOD PURIFIER
صافی سے خون بھی صاف، جلد بھی صاف

فیس کے لیے

مناظر صدیقی

کسی شہر میں دو بہنیں رہتی تھیں۔ ایک کا نام نائلہ تھا دوسری کا شمائلہ۔ ان کے ابّو کا ایک کارخانہ تھا جس میں پاؤڈر، سرخی اور کریم وغیرہ تیار ہوتی تھی، لیکن نائلہ اور شمائلہ ابھی بہت چھوٹی تھیں کہ ان کے ابّو انھیں ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر اللہ میاں کے پاس چلے گئے۔ اب نائلہ اور شمائلہ کو پالنے اور پڑھانے لکھانے کی ذمّے داری ان کی امّی پر آگئی۔ اتفاق سے ان کا کوئی دوسرا رشتے دار بھی نہیں تھا جو اُن کے کسی کام آتا، لیکن نائلہ اور شمائلہ کی امّی ان باتوں سے گھبرانے والی نہیں تھیں، انھیں معلوم تھا کہ انسان محنت کرے اور کسی کام کو پورا کرنے کا پکّا ارادہ کرلے تو اُسے کام یابی ضرور ہوتی ہے۔

نائلہ شمائلہ کے ابّو نے ان کے لیے ایک خوب صورت سا مکان بنوا دیا تھا اس لیے انھیں یہ فکر تو تھی نہیں کہ وہ رہیں گی کہاں اور مکان کا کرایہ کیسے ادا کریں گی، بس فکر تھی تو صرف یہ کہ کھانے پینے اور نائلہ شمائلہ کو پڑھانے کے لیے پیسے کہاں سے آئیں گے؟ شروع شروع میں تو کارخانہ چلتا رہا، لیکن جب نائلہ کے ابّو ہی نہیں رہے تو کارخانے میں کام کرنے والے لوگوں نے بھی کام پر کوئی توجہ نہیں دی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کارخانہ بند ہوگیا۔

نائلہ کی امّی نے خرچ سے بچا بچا کر جو پیسے جمع کیے تھے وہ بھی زیادہ دِنوں تک کام نہیں آسکتے تھے۔ چناں چہ نائلہ کی امّی نے سوچا کہ کوئی ایسا کام کرنا چاہیے جس سے اتنے پیسے ملتے رہیں کہ نائلہ اور شمائلہ کی تعلیم بھی جاری رہے اور دونوں بچیّاں اس طرح رہیں کہ اُنھیں یہ احساس نہ ہو کہ اُن کے ابّو نہیں ہیں تو اُن کی کوئی ضرورت پوری نہیں ہوسکتی۔

نائلہ کے ابّو نے ایک مرتبہ نائلہ کی امّی کو کچھ کاغذات دیے تھے اور کہا تھا کہ یہ کاغذات بہت قیمتی ہیں۔ اس میں ایک ایسی کریم کا فارمولا ہے جس کے لگانے سے ہاتھ خراب نہیں ہوتے، یعنی سردیوں کے دِنوں میں سخت سردی کی وجہ سے جب ہاتھ پھٹتے ہیں تو اس کریم

کے لگانے سے ہاتھ فوراً اچھے ہو جائیں گے۔ یا زیادہ کام کرنے سے ہاتھ خراب ہو جائیں تو اسے لگانے سے ہاتھ بالکل ٹھیک رہیں گے۔ انھوں نے امّی سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر کبھی ضرورت پڑے تو کریم بنانے کا یہ فارمولا تمھارے کام آئے گا۔

امّی کے پاس جب پیسے ختم ہونے لگے تو انھوں نے اسی فارمولے سے کام لینے کا فیصلہ کیا۔ جو پیسے باقی رہ گئے تھے اُن سے کریم بھرنے کے لیے شیشیاں اور کریم بنانے کی ضروری چیزیں خریدیں۔ پھر امّی گھر ہی میں یہ کریم بنانے لگیں۔ جب کریم تیار ہو جاتی تو انھیں شیشیوں میں بھر کر پہلے ڈبّوں میں بند کرتیں پھر یہ ڈبّے لے جا کر دُکان داروں کو دے دیتیں۔ اس طرح اتنی آمدنی ہونے لگی کہ گھر کا ضروری خرچ بھی پورا ہو جاتا اور نائلہ شمائلہ کی تعلیم کا خرچ بھی نکل آتا۔ دونوں بہنوں کو امّی نے ایک اچھے سے اسکول میں داخل کرا دیا تھا۔

امّی کریم بنا کر بازار میں فروخت کرتی رہیں اور دونوں بہنیں بڑے آرام اور سکون سے پڑھتی رہیں۔ اس طرح کئی سال گزر گئے، لیکن دھیرے دھیرے چیزیں مہنگی ہونے لگیں۔ ساتھ ہی نائلہ اور شمائلہ کی تعلیم کے اخراجات بھی بڑھنے لگے۔ ان کے لیے اب جو کتابیں آتیں وہ زیادہ مہنگی ہوتیں۔ زیادہ کاپیاں خرچ ہوتیں۔ غرض ہر چیز کے لیے زیادہ پیسے خرچ کرنے پڑتے۔ دوسری طرف بہت سی بڑی بڑی کمپنیاں کھل گئی تھیں جو مختلف قسم کی کریمیں بناتیں انھیں مشہور کرنے کے لیے اخباروں میں اشتہارات چھپواتیں۔ ان بڑی بڑی کمپنیوں کے ملازم کمپنی کی موٹروں میں بیٹھ کر شہر بھر کی دُکانوں تک یہ کریم اور دوسرا سامان پہنچا دیتے۔ نائلہ اور شمائلہ کی امّی کے پاس اتنے پیسے کہاں تھے کہ وہ بھی ان بڑی کمپنیوں کی طرح اپنی کریم بیچنے کا انتظام کرتیں۔ اس لیے اب اُن کی کریم بہت کم فروخت ہوتی۔ جس کی وجہ سے آمدنی بھی کم ہوتی۔ نائلہ کی امّی خود تو تکلیف اُٹھا سکتی تھیں، لیکن یہ نہیں چاہتی تھیں کہ نائلہ اور شمائلہ کو کوئی تکلیف ہو یا اُن کی تعلیم ادھوری رہ جائے۔ اس لیے وہ اب زیادہ سے زیادہ محنت کرنے لگی تھیں۔

جب گرانی اور بڑھی اور آمدنی کم ہو گئی تو نائلہ، شمائلہ کی تعلیم جاری رکھنے کے لیے اُن کی امّی نے فیصلہ کیا کہ مکان بیچ دیا جائے۔ چوں کہ مکانوں کی قیمتیں بھی بہت زیادہ ہو گئی تھیں اس لیے اُن کی امّی نے سوچا کہ یہ مکان اُن کی ضرورت سے زیادہ بڑا ہے۔ اس لیے اسے بیچ کر کوئی چھوٹا سا مکان خرید لیا جائے اور باقی پیسے دونوں لڑکیوں کی تعلیم کے لیے بچا لیے جائیں۔ چناں چہ انھوں نے شہر کے ایک اخبار

میں مکان فروخت کرنے کے لیے اشتہار چھپوا دیا۔

نائلہ اور شمائلہ نے یہ اشتہار دیکھا تو انھیں بڑا افسوس ہوا۔ لیکن یہ بات اُن کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ امّی نے اچانک مکان فروخت کرنے کا فیصلہ کیوں کیا؟ دونوں نے امّی سے پوچھا کہ وہ مکان کیوں بیچ رہی ہیں اور مکان بِک گیا تو ہم سب کہاں رہیں گے؟ پہلے تو امّی نے انھیں کچھ نہیں بتایا، لیکن جب دونوں نے زیادہ ضد کی تو انھیں بتانا پڑا کہ مکان بیچنے کی وجہ کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس طرح کم از کم ایک سال تک دونوں بہنوں کی فیس کے سلسلے میں کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔ اس ایک سال میں ہو سکتا ہے کہ کچھ بچت ہو جائے تو آگے کی تعلیم کا سلسلہ بھی درست ہو جائے گا۔

امّی کی باتیں سُن کر نائلہ اور شمائلہ دونوں اپنے کمرے میں آگئیں اور بڑی دیر تک روتی رہیں۔ انھیں اس بات کا دُکھ تھا کہ اُن کے ابّو کی یہ نشانی اب فروخت ہو جائے گی۔ بڑی دیر کے بعد جب اُن کے آنسو تھمے تو شمائلہ نے اپنی بہن سے کہا:

"باجی، اب ہم شاید ایک سال سے زیادہ اسکول نہ جا سکیں گے۔ چھٹیوں کے بعد شاید ہماری تعلیم کا آخری سال شروع ہو گا۔"

"یہ تم نے کیسے سمجھ لیا؟" نائلہ نے پوچھا۔

"امی یہی تو کہہ رہی تھیں کہ مکان بیچنے سے ایک سال تک فیس کے لیے پریشانی نہیں ہو گی۔"

"ہاں کہہ تو رہی تھیں، لیکن انھوں نے یہ بھی تو کہا تھا کہ ایک سال کے دوران بچت ہو گی تو آگے کی تعلیم کا سلسلہ بھی درست ہو جائے گا۔ پھر یہ کہ ہمیں ایک سال پہلے سے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔" نائلہ نے جواب دیا۔

اُسی وقت اُن کی امی نے انھیں کھانا کھانے کے لیے آواز دی تو دونوں بہنیں آنسو پونچھتی ہوئی اپنے کمرے سے نکل آئیں۔ اُن کی امّی نے دونوں کی شکلیں دیکھیں تو انھیں اندازہ ہو گیا کہ دونوں بہنیں دیر تک روتی رہی ہیں۔ انھوں نے دونوں کو سمجھایا کہ رونے دھونے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اچھا بُرا وقت تو ہر ایک پر آتا ہے۔ مصیبت کے وقت انسان کو چاہیے کہ ہمّت سے کام لے اور خدا پر بھروسا رکھے۔ وہ ہر مصیبت آسان کر دیتا ہے۔

دو تین دن اسی طرح گزر گئے۔ نائلہ اور شمائلہ اکثر اپنے مکان ہی کے متعلق سوچتی رہتیں۔ آپس میں باتیں بھی کرتیں تو یہی کرتیں کہ انھیں اپنی امّی کی مدد کرنی چاہیے، لیکن مدد کرنے کا طریقہ اُن کی سمجھ

میں نہیں آتا تھا۔ چوتھے دن اُن کے ایک پڑوسی اُن کے گھر آئے۔ نائلہ اور شمائلہ کے اُترے ہوئے چہرے دیکھے تو انھوں نے نائلہ کی امّی سے وجہ پوچھی کہ دونوں لڑکیاں کیوں اُداس ہیں۔ اُن کی امّی نے بات ٹالنے کی کوشش کی، لیکن پڑوسی بھی وہ اشتہار پڑھ چکے تھے جو نائلہ کی امّی نے مکان فروخت کرنے کے لیے چھپوایا تھا۔ اس لیے انھیں اندازہ ہو گیا کہ دونوں بہنیں اسی لیے اُداس ہیں کہ اب اُن کا مکان بِک جائے گا۔ وہ یہ بھی سمجھ گئے تھے کہ دونوں لڑکیوں کی امّی اپنی زبان سے پریشانی کی وجہ نہیں بتانا چاہتیں، اس لیے انھوں نے سوچا کہ اپنی زبان سے کچھ کہے بغیر لڑکیوں کا دِل بہلانے کی کوئی ترکیب کرنی چاہیے۔ چناں چہ انھوں نے نائلہ کی امّی سے کہا:

"میرا خیال ہے آج کل اسکولوں کی چھٹّیاں ہیں۔ لڑکیاں گھر پر رہتی ہیں۔ سہیلیوں سے ملاقات نہیں ہوتی اس لیے دل گھبرا گیا ہو گا۔"

"ہاں! شاید یہی بات ہے۔" نائلہ کی امّی نے بے دلی سے کہا۔

پڑوسی نے کہا، "میں نے ایک نیا ٹیپ رِکارڈر خرید لیا ہے۔ اس لیے پرانا ٹیپ رِکارڈر بے کار پڑا

ہوا ہے، لیکن اب بھی بہت عمدہ بجتا ہے۔ میں اُسے ابھی بھجوا دیتا ہوں۔ بچیاں اپنی پسند کے گانے بھی سُنیں گی اور اپنی آواز بھی ٹیپ کر سکیں گی۔ اس طرح انھیں ایک دل چسپ مشغلہ ہاتھ آجائے گا۔" پڑوسی کی اس بات پر نائلہ، شمائلہ کی امی خاموش رہیں۔ شاید انھوں نے بھی یہی سوچا کہ چلو اس طرح دونوں بہنوں کا جی بہل جائے گا۔

پڑوسی نے تھوڑی ہی دیر بعد ٹیپ رِکارڈر بھجوا دیا۔ یہ پُرانے طرز کا تھا۔ اس میں کیسٹ نہیں تھے بلکہ ایک بڑا سا اسپول (چکّر کی طرح لپٹا ہوا ٹیپ) تھا۔ یہ کئی گھنٹے تک چلتا رہتا تھا۔ نائلہ اور شمائلہ کو واقعی ایک دل چسپ مشغلہ مِل گیا تھا۔ انھوں نے بیٹھک ہی کے ایک کونے میں کُھلی الماری میں ٹیپ ریکارڈر رکھ دیا۔ یہ ٹیپ رکارڈر بالکل صندوق نما تھا۔ اس میں پیچھے سے ایک تار لگا ہوا تھا۔ جس میں مائیکروفون لگا ہوا تھا۔ رِکارڈر کا بٹن دبا کر اوپر کا ڈھکنا بند کر دو تو پتا ہی نہیں چلتا تھا کہ ٹیپ رکارڈر چل بھی رہا ہے یا نہیں۔ دونوں بہنوں نے اس رکارڈر پر پہلے تو اپنی آوازیں ٹیپ کیں اپنے اسکول میں پڑھائی جانے والی نظمیں گا کر اپنی آوازیں خود سُنیں۔ پھر انھوں نے سوچا کہ پڑوس کی سہیلیوں کو بُلا کر اُن کی آوازیں بھی ٹیپ کریں، لیکن انھیں اس کا موقع نہیں ملا۔ کیوں کہ اُسی وقت اندر کے کمرے سے اُن کی امّی نے انھیں آواز دی۔

"تم لوگ تیار ہو جاؤ اور خالہ سعیدہ کے گھر چلی جاؤ۔ شام تک وہیں رہنا، پھر چلی آنا۔ تمھارا دل بہل جائے گا۔"

خالہ سعیدہ اصل میں نائلہ اور شمائلہ کی امّی کی بچپن کی سہیلی تھیں۔ وہ اُسی شہر کے کسی دوسرے محلّے میں رہتی تھیں۔ دونوں بچیاں انھیں خالہ ہی کہتی تھیں، لیکن نائلہ اور شمائلہ دونوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ امّی اچانک انھیں خالہ سعیدہ کے گھر کیوں بھیج رہی ہیں؟ پہلے تو وہ اس فیصلے پر حیرت سے امّی کا منھ دیکھتی رہیں۔ آخر نائلہ نے اُن سے پوچھ ہی لیا:

"امّی، یہ اچانک خالہ سعیدہ آپ کو کیسے یاد آگئیں؟"

نائلہ کی امّی چوں کہ کبھی جھوٹ نہیں بولتی تھیں اور نہ انھیں اپنی بیٹیوں سے کوئی بات چھپانی تھی اس لیے انھوں نے کوئی بہانہ نہیں کیا بلکہ سچّی بات بتا دی۔

"ابھی ابھی ڈاک سے ممتاز کا خط ملا ہے۔ اُس نے لکھا ہے اُس نے ہمارا اشتہار پڑھا ہے اور اب وہ مجھ سے بات چیت کرنے آرہا ہے۔ اس لیے میں چاہتی ہوں کہ تم خالہ سعیدہ کے ہاں چلی جاؤ، تاکہ میں

اُس سے بات کر سکوں۔"
"کوئی شخص مکان خریدنے کے لیے آرہا ہے تو ہمارا جانا کیوں ضروری ہے امّی؟" نائلہ نے پوچھا۔
"مجھے یقین نہیں ہے کہ ممتاز مکان خریدنے کے لیے آئے گا۔ وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔ اس لیے میں نہیں چاہتی کہ تم دونوں یہاں رہو۔ میں اکیلی اُس سے نمٹ لوں گی۔ تم دونوں یہاں رہو گی تو مجھے تمھاری فکر رہے گی۔" امّی نے کہا۔
"ممتاز کون ہے؟" شمائلہ نے پوچھا۔ "اگر وہ آدمی اچھا نہیں ہے تو ہمیں یہیں رہنا چاہیے، تاکہ ہم آپ کی مدد کریں۔"
"نہیں بیٹی۔" امّی نے پیار سے شمائلہ کے سَر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "میرا کہنا مان لو، تمھارا یہاں رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ میں اُس سے نمٹ لوں گی۔"
"لیکن ممتاز ہے کون؟" نائلہ نے پوچھا۔
"یہ شخص پہلے تمھارے ابّو کے کارخانے میں کام کرتا تھا۔ اس نے وہاں کچھ بے ایمانی کی تو تمھارے ابّو نے اسے نکال دیا۔ پھر اس نے ایک بار تمھارے ابّو پر بھی حملہ کیا تھا، لیکن وہ اس حملے سے بچ گئے تھے۔ اس کے بعد سے اس کا کوئی پتا نہیں چلا کہ وہ کہاں ہے؟ اب کئی سال کے بعد یہ خط آیا ہے۔"
"پھر تو یہ شخص بہت خطرناک ہے۔ آپ کو تنہا اس سے نہیں ملنا چاہیے۔" شمائلہ اور نائلہ دونوں نے ایک ساتھ کہا۔
"ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔" امّی نے کہا۔ "ایک تو کئی برس بعد اس کا نام سامنے آیا ہے۔ معلوم نہیں یہ وہی ممتاز ہے یا کوئی دوسرا شخص۔ ایک نام کے کئی آدمی ہوتے ہیں۔ اگر یہ کوئی دوسرا شخص ہوا تو پھر میں اس سے لین دین کی بات کر لوں گی اور اگر یہ وہی ممتاز ہوا تو بھی میں اکیلی اس سے نمٹ سکتی ہوں۔"
نائلہ اور شمائلہ نے بڑی کوشش کی کہ وہ خالہ سعیدہ کے پاس نہ جائیں، لیکن جب امّی کسی طرح راضی نہ ہوئیں تو انھیں امّی کا حکم ماننا ہی پڑا۔ وہ تھوڑی ہی دیر بعد بس اسٹاپ پر پہنچ چکی تھیں۔
نائلہ اور شمائلہ جب خالہ سعیدہ کے گھر پہنچیں تو اتفاق سے خود خالہ گھر پر نہیں تھیں۔ البتہ خالہ سعیدہ کا لڑکا اور ایک لڑکی گھر پر تھی۔ دونوں نے ان کا استقبال کیا۔ بڑی آؤ بھگت کی۔ پھر جب خالہ

سعیدہ کی لڑکی دُردانہ انھیں اپنے کمرے میں بٹھا کر اُن کے لیے چائے وغیرہ لانے کے لیے گئی تو شمائلہ نے اپنی بہن سے کہا:

"باجی! میرا تو دِل گھبرا رہا ہے۔ ہمیں واپس چلنا چاہیے۔"

"لیکن امّی نے تو ہمیں خود ہی یہاں بھیجا ہے اور شام تک یہیں رہنے کو کہا ہے۔" نائلہ نے کہا۔

"ہاں! کہا تو ہے، لیکن میرا دِل کہتا ہے کہ ہمیں واپس چلنا چاہیے۔"

"سوچ تو میں بھی رہی ہوں کہ امّی کو کہیں ہماری ضرورت نہ ہو، لیکن امّی کے ناراض ہونے کا ڈر ہے۔" نائلہ نے کہا۔

"ناراض ہی تو ہوں گی، ہم ڈانٹ سُن لیں گے، انھیں منا لیں گے، لیکن امّی کو کوئی نقصان پہنچ گیا تو کیا ہوگا؟" شمائلہ نے کہا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو، ہمیں واپس چلنا چاہیے، بس چائے پی کر واپس چلتے ہیں۔" نائلہ بھی واپسی کے لیے تیار ہو گئی۔ اتنے میں دُردانہ چائے لے آئی۔ سب نے مل کر چائے پی، پھر دُردانہ سے دونوں بہنوں نے واپسی کی اجازت مانگی۔ پہلے تو دُردانہ نے اُنھیں روکنا چاہا، لیکن جب دونوں نہیں مانیں تو اُسے خدا حافظ کہنا ہی پڑا۔

نائلہ اور شمائلہ گھر پہنچیں تو باہر کا دروازہ بند تھا۔ نائلہ نے جیسے ہی کواڑ پر ہاتھ رکھے تو دروازہ کُھل گیا۔ یہ دیکھ کر نائلہ کو بڑی حیرت ہوئی، کیوں کہ اُس کی امّی کبھی اس طرح دروازہ کُھلا نہیں چھوڑتی تھیں۔ نائلہ جب بیٹھک میں داخل ہوئی تو گھبراہٹ اور خوف سے اس کی چیخ نکل گئی، کیوں کہ سامنے فرش پر اُس کی امّی بے ہوش پڑی تھیں۔ اُن کے سَر سے خون بہ کر فرش پر جم گیا تھا۔ نائلہ کی چیخ سُن کر شمائلہ بھی تیزی سے اندر داخل ہوئی۔ اتنی دیر میں نائلہ اپنی امّی کا سر اپنی گود میں رکھ چکی تھی۔ اس نے شمائلہ سے کہا کہ دوڑ کر ڈاکٹر کو بُلا لائے۔ ڈاکٹر کا مطب بالکل قریب ہی تھا۔ اس لیے شمائلہ ڈاکٹر کو لے کر تھوڑی ہی دیر میں واپس آ گئی۔ ڈاکٹر نے جب اُن کی امّی کو دیکھا تو دونوں بہنوں کو مشورہ دیا کہ پڑوسیوں کو اطلاع دی جانی چاہیے تاکہ وہ لوگ پولیس کو بھی اطلاع کر دیں۔ شمائلہ فوراً اپنے اُس پڑوسی کے پاس پہنچی جنھوں نے صبح ان دونوں کو ٹیپ ریکارڈر بھجوایا تھا۔ انھوں نے شمائلہ کو تو گھر بھیج دیا اور خود پولیس کو اطلاع دینے چلے گئے۔

تھوڑی دیر بعد پولیس بھی پہنچ گئی۔ ایک انسپکٹر کے ساتھ دو تین سپاہی تھے۔ اتنی دیر میں ڈاکٹر

نے ابتدائی طبی امداد کے طور پر نائلہ کی امّی کے سر پر پٹّی باندھ دی تھی تاکہ زیادہ خون نہ بہے، لیکن اس کا خیال تھا کہ انھیں ہسپتال میں داخل کرانا ضروری ہے۔ ڈاکٹر نے پولیس انسپکٹر سے کہا کہ وہ کہیں سے ٹیلے فون کر کے ایمبولینس منگوالیں۔ انسپکٹر نے ایک سپاہی کو ہدایت کی، جس نے قریب کی ایک دُکان سے ایمبولینس کے لیے ٹیلے فون کر دیا۔ تھوڑی دیر میں ایمبولینس بھی پہنچ گئی۔ نائلہ اپنی امّی کے ساتھ ہسپتال جانا چاہتی تھی، لیکن ڈاکٹر نے کہا کہ کسی بھی آدمی کو ساتھ جانے کی ضرورت نہیں، وہ خود ساتھ جا رہے ہیں۔

نائلہ اور شمائلہ کی امّی کو جب ہسپتال بھیج دیا گیا تو پولیس انسپکٹر نے نائلہ اور شمائلہ سے بہت سے سوالات کیے، جس کے دونوں نے ٹھیک ٹھیک جواب دیے۔ انھیں باتوں کے دوران شمائلہ کو ٹیپ رِکارڈر کا خیال آگیا۔ جسے امّی کے بلانے پر وہ چلتا ہوا چھوڑ کر امّی کے پاس چلی گئی تھیں۔ بعد میں انھیں ٹیپ رکارڈر بند کرنا یاد نہیں رہا تھا۔ نائلہ نے جا کر رِکارڈر دیکھا۔ اتفاق سے اب تک رِکارڈر چل رہا تھا۔ اب اسپول ختم ہونے ہی والا تھا۔ پولیس افسر نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ ٹیپ

ریکارڈر اُٹھا کر کمرے کے درمیان میں لے آئیں۔

پولیس نے کمرے کے درمیان بچھی ہوئی میز پر ٹیپ ریکارڈر رکھ کر اسپول کو واپس پلیٹا اور بٹن دبا دیا۔ پہلے تو کوئی آواز نہیں آئی۔ پھر دونوں بہنوں کی آوازیں سنائی دیں۔ پھر آواز آنی بند ہو گئی۔ کافی دیر کے بعد پھر آواز آنے لگی۔ سب سے پہلے آواز دروازہ کھٹکھٹانے کی تھی۔ پھر دروازہ کھولنے کی آواز آئی۔ اس کے بعد ایک مرد کی آواز سُنائی دی۔

"آداب عرض بیگم شہزاد"۔ شہزاد، نائلہ اور شمائلہ کے ابّو کا نام تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ آنے والے نے نائلہ کی امّی کو مخاطب کیا تھا۔ پھر اُن کی امّی کی آواز آئی، "آداب عرض مسٹر ممتاز۔ کہیے کیسے آنا ہوا۔ کیا آپ یہ مکان خریدنا چاہتے ہیں؟"

"جی نہیں، میں تو دوسرے مقصد سے آیا ہوں"۔ وہ مرد کہہ رہا تھا جس کو نائلہ کی امّی نے ممتاز کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ ممتاز کہہ رہا تھا کہ اُسے کریم بنانے کا وہ فارمولا چاہیے جو مسٹر ممتاز نے تیار کیا تھا۔ اُس کے پاس کافی دولت ہے اور کئی دوسرے آدمی اس کی کمپنی کے حصّے دار ہیں۔ وہ اس فارمولے کی مدد سے بنائی ہوئی کریم کے ذریعہ سے خاصی دولت کما سکتا ہے جب کہ نائلہ کی امّی اس کریم کو زیادہ مقدار میں نہیں بنا سکتیں۔ ممتاز کی باتوں کے جواب میں نائلہ کی امّی نے کہا تھا کہ یہ فارمولا اُن کے لیے بہت ضروری ہے۔ اسی کے ذریعہ سے وہ اپنی بچیوں کو پال رہی ہیں۔ وہ کسی قیمت پر بھی یہ فارمولا ممتاز کو نہیں دیں گی، پھر ممتاز نے نائلہ کی امّی کو کئی دھمکیاں بھی دی تھیں، لیکن وہ پھر بھی فارمولا دینے پر تیار نہیں ہوئیں۔ یہاں تک پہنچنے کے بعد ٹیپ سے "کھٹ" کی ایک آواز آئی۔ پھر کسی کے فرش پر گرنے کی آواز سُنائی دی۔ اس کے بعد میز کی درازیں کھولنے کی آوازیں سُنائی دیں۔ اس کے بعد ایک آواز سُنائی دی، "مل گیا۔ مل گیا"۔ اب پھر آواز آنی بند ہو گئی۔ پولیس افسر نے پورا ٹیپ سننے کے بعد نائلہ اور شمائلہ کو تسلّی دی کہ وہ اُن کی امّی کو زخمی کرنے والے شخص کو جلد ہی گرفتار کر لیں گے۔

ایک ہفتے کے بعد نائلہ کی امّی کو ہسپتال سے رخصت کر دیا گیا۔ وہ جس دن گھر پہنچیں اُسی دن پولیس انسپکٹر بھی ان کے پاس آیا۔ اُس کے ساتھ ایک آدمی اور بھی تھا۔ خیریت پوچھنے کے بعد انسپکٹر نے کہا۔

"آج میں آپ کے لیے ایک کے بجائے دو خوش خبریاں لایا ہوں"۔

"اکٹھی دو۔ دو"۔ نائلہ کی امّی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں! دو دو" انسپکٹر نے کہا۔ "پہلی تو یہ کہ آپ پر حملہ کرنے والا ممتاز گرفتار کر لیا گیا ہے۔ ہم تو بہت دن سے اس کی تلاش میں تھے، لیکن یہ پتا ہی نہیں چلتا تھا کہ وہ یہاں ہے یا کہیں اور چلا گیا ہے۔ بہرحال آپ کی بہ دولت ہم نے اسے گرفتار کر ہی لیا۔ دوسری خوش خبری یہ ہے کہ حکومت نے ممتاز کو گرفتار کرانے والے کے لیے انعام مقرر کیا تھا اور ایک بہت بڑی کمپنی نے بھی انعام کا اعلان کر رکھا تھا۔ ممتاز اس کمپنی میں پہلے ملازم تھا اور وہ بہت بڑی رقم دھوکا دے کر لے گیا تھا۔ اس کمپنی کے نمائندے میرے ساتھ ہیں، جو آپ کے لیے انعام کی رقم کا چیک لائے ہیں۔ حکومت کا مقرر کیا ہوا انعام بھی آپ کو جلد مل جائے گا۔"

انسپکٹر خاموش ہوا تو اس کے ساتھ آئے ہوئے شخص نے چیک نائلہ اور شمائلہ کی امی کو دے دیا۔ اس میں کئی ہزار روپے کی رقم تھی۔ چند دن کے بعد انھیں حکومت کی طرف سے انعام کی رقم بھی مل گئی۔ اب انھیں نائلہ اور شمائلہ کے اسکول کی فیس کے لیے مکان بیچنے کی ضرورت نہیں رہی۔

بوجھو تو جانے کا صحیح جواب

(مارچ ۸۵ء کا جواب)

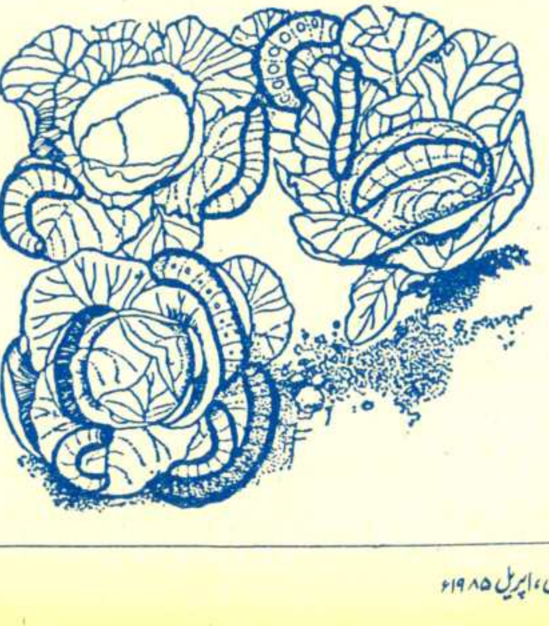

سلسلہ ۲۲۸

معلوماتِ عامّہ

اس بار بھی سوالات کی تعداد بارہ ہے۔ دس یا زیادہ صحیح جوابات والوں کی تصویریں شائع کی جائیں گی۔ تصویریں نہ ہوئیں تو ان کے نام اور ۹ صحیح جوابات والوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ جوابات ۱۵۔ اپریل ۱۹۸۵ء تک بھیج دیجیے۔ جوابات کے کاغذ پر نیچے اپنے نام اور پتے کے علاوہ کچھ نہ لکھیے۔ تصویر کے نیچے بھی اپنا نام اور شہر یا گاؤں کا نام صاف صاف لکھیے۔ نام پتا جوابات کے پیچھے نہیں نیچے لکھیے۔ پتا لفافے پر بھی نہ لکھیے۔

۱۔ بعض علما کا کہنا ہے کہ قرآن کی دو سورتیں ایک ساتھ نازل ہوئی تھیں، کیا آپ کو ان کے نام معلوم ہیں؟

۲۔ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل تو قائدِ اعظم محمد علی جناح اور پہلے وزیرِ اعظم شہیدِ ملّت لیاقت علی خان تھے، بتائیے پاکستان کے پہلے چیف جسٹس کون صاحب تھے؟

۳۔ رقبے کے اعتبار سے دنیا کا دوسرا سب سے بڑا ملک کون سا ہے؟

۴۔ شاہ نامۂ اسلام حفیظ جالندھری کی تصنیف ہے۔ بتائیے صرف "شاہ نامہ" کس کی تصنیف ہے؟

۵۔ بغداد تو عراق کا دارالحکومت ہے، بتائیے بغداد الجدید کہاں ہے؟

۶۔ پاکستان کی ہاکی ٹیم نے سب سے پہلا عالمی اعزاز (سونے کا تمغا) کب حاصل کیا تھا؟

۷۔ "ہوچی منہ سٹی" ایک مشہور شہر کا نام ہے۔ یہ کس ملک میں ہے؟

۸۔ پاکستان کے پہلے ڈاک ٹکٹ کا ڈیزائن کس نے بنایا؟

۹۔ بتائیے پاکستان کا قومی عجائب گھر کس شہر میں ہے؟

۱۰۔ دریائے برہم پُتر کن ملکوں سے گزرتا ہے؟

۱۱۔ "ظہورِ پاکستان" ایک مشہور ماہرِ مالیات اور سیاست داں کی لکھی ہوئی کتاب ہے، مصنف کا نام بتائیے؟

۱۲۔ مشہور افسانوی کردار شرلاک ہومز کے خالق کا نام بتائیے؟

اخبارِ نونہال

چالیس من وزنی قرآن پاک

حرم شریف میں رکھے جانے کے لیے ایک چالیس من وزنی قرآن پاک تیار کیا جا رہا ہے۔ اس قرآن پاک کا ہر پارہ ۲۸ ضرب ۲۲، انچ سائز کا اور ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ آیات ایک خصوصی روشنائی سے تحریر کی گئی ہیں۔ اوقاف و اعراب کے نشانات، صفحات اور حد بندی کے خطوط طلائی کام سے مرصع ہیں۔ ہر دوسرے پارے کے شروع اور آخر میں اللہ تعالیٰ کے ۹۹ نام اور حضور اکرمؐ کے نام نامی تحریر کیے گئے ہیں۔ ان میں سے آدھے شروع اور بقیہ آدھے پارے کے آخر پر ہیں۔ پندرہ پاروں کے بعد قرآنی خطاطی کا ایک طغرہ ہے اور اس کی مختصر تاریخ بھی بیان کی گئی ہے۔ قرآنِ پاک کے اس نادر نسخے میں قرآنی خطاطی کے تین سو نمونے شامل ہیں۔ ہر پارہ ایک من پندرہ سیر وزنی علاحدہ جلد کی شکل میں ہوگا۔

مرسلہ: صالحہ حسن، کراچی

گرگٹ آگے پیچھے دیکھ سکتا ہے

رنگ بدلنے والے مشہور جانور گرگٹ کی آنکھیں عام جانوروں کی طرح نہیں ہوتیں۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک پردہ سا ہوتا ہے، جس میں ایک سوراخ ہوتا ہے۔ وہ اس میں سے دیکھتا ہے۔ آنکھیں آگے پیچھے موڑی جاسکتی ہیں۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک آنکھ آگے مڑی ہوتی ہے اور دوسری پیچھے، یعنی یہ جانور بہ یک وقت آگے پیچھے دیکھ رہا ہوتا ہے۔

مرسلہ: محمد ساجد، ملک وال

دادا اور پوتا

امریکا کے صدروں میں اَبراہم لنکن کا نام بہت مشہور ہے۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ ان کے دادا کا نام بھی اَبراہم تھا۔ دادا اَبراہم اور پوتے اَبراہم دونوں کی بیویوں کا نام "میری" تھا۔ دونوں کے بیٹوں کا نام تھامس تھا۔ دادا اور پوتے دونوں قتل کیے گئے۔

مرسلہ: سعدیہ منصور، کراچی

اُلّو کی آنکھیں

امریکا کے ایک ڈاکٹر نے ایک اندھے کی بے کار آنکھوں کی جگہ اُلّو کی آنکھیں لگا کر بڑا عجیب تجربہ کیا ہے۔ مریض کی آنکھیں چوٹ لگنے کی وجہ سے زخمی ہو گئی تھیں۔ اس کی بینائی بالکل جاتی رہی تھی۔ ڈاکٹر نے اس کی خراب آنکھیں نکال کر اُلّو کی درست آنکھیں لگا دیں۔ چند یوم کے بعد جب اپریشن کے زخم بھر گئے تو مریض کی آنکھوں کی پٹّی کھول دی گئی۔ اب وہ مریض بالکل ٹھیک ہے۔ فرق صرف اتنا پڑ گیا ہے کہ وہ اُلّو کی طرح رات کے اندھیرے میں سب کچھ دیکھ سکتا ہے، لیکن دن کی روشنی میں اسے صاف دکھائی نہیں دیتا۔ مرسلہ: سعدیہ ادم، کراچی

نیپال میں دنیا کا سب سے بڑا ہاتھی

نیپال کی ایک چراگاہ میں ایک ہاتھی کے پیر کا نشان پایا گیا، جس کی پیمائش ۵۵ سینٹی میٹر ہے۔ خیال ہے کہ یہ دنیا کا سب سے بڑا ہاتھی ہے۔

مرسلہ: سیّد احسان الحق قادری، شاہ فیصل کالونی

سب سے کم وزن لڑکی

دنیا میں سب سے کم وزن ہونے کا اعزاز میکسیکو کی ایک لڑکی "لوسیا زریٹ" کو حاصل ہے۔ پیدائش کے وقت اس کا وزن ڈھائی پونڈ تھا۔ ۱۷سال کی عمر میں اس کا وزن ۹ پونڈ اور ۱۹سال کی عمر میں ۱۳ پونڈ تھا۔ اس لڑکی کا انتقال ۱۸۸۹ء میں ہوا تھا۔ مرسلہ: ثمرہ نعیم، کراچی

اس شمارے کے مشکل الفاظ

نونہالوں کی خواہش پر ہر لفظ کے سامنے اُس زبان کا اشارہ بھی لکھا جا رہا ہے جس سے وہ لفظ اُردو میں آیا ہے۔ یہ اِشارے اس طرح لکھے ہوں گے:

ع = عربی، ف = فارسی، ہ = ہندی، س = سنسکرت، ت = ترکی، انگ = انگریزی، ا = اردو

اکمل : (ع) اَکْ مَلْ : نہایت کامل، بالکل مکمل

افضل : (ع) اَفْ ضَلْ : سب سے اچھا، بہت فضیلت رکھنے والا

شادمانی : (ف) شَا دْ مَا نی : خوشی

رام کہانی : (ہ) رَ امْ کَہا نی : طویل قصّہ، لمبی بات، رام چندر جی کی طویل کہانی

برحق : (ع) بَرْ حَقْ : جو حق پر ہو، سچّا

تسکین : (ع) تَسْ کِین : دلاسا، اطمینان، ڈھارس، آرام، افاقہ

مدار : (ع) مَ دَا رْ : دائرہ، حلقہ، انحصار، جس پر کوئی بات ٹھیری ہوئی ہو

باد : (ف) بَا دْ : ہوا

نکہت : (ع) نَکْ ہَتْ : خوش بُو، مہک

بازی گر : (ف) با زِی گَرْ : تماشا دکھانے والا، شُعبدہ باز

مُہر : (ف) مُہَ رْ : ٹھپّا، کسی چیز پر کھُدا ہوا نام، اشرفی

مَہر : (ع) مَہَ رْ : وہ رُپیہ یا جنس جو نکاح کے وقت مسلمان مرد کے ذمّے عورت کو دینا قرار کی جاتی ہے

مِہر : (ف) مِہَ رْ : سورج، محبّت، رَحم، دوستی، پیار، شفقت

حوادث : (ع) حَوَا دِ ثْ : حادثہ کی جمع، مصیبتیں، تکلیفیں

ساکت : (ع) سَا کِتْ : خاموش، چُپ، بے حس و حرکت

سُمُوم : (ع) سُ مُو مْ : سَم کی جمع، زہر۔

سَمُوم : (ع) سَ مُو مْ : لُو، گرم اور زہریلی ہوا

سفینہ : (ع) سَفِی نَہْ : کشتی، یادداشت کی بیاض

برکات : (ع) بَرَ کا تْ : برکت کی جمع

رنگ و بُو : (ف) رَنْگو بُو : شان و شوکت، رونق

عزّ و شان : (ع) عِزْ زو شان : عزّت، مرتبہ، شان

عزم بالجزم : (ف) عَزْمْ بِلْ جَزْمْ : پکّا ارادہ، مصمّم قصد

جُبّہ : (ع) جُبْ بَہْ : لمبا کوٹ، کُرتے کی قسم کا ایک لباس

مُزمن : (ع) مُزْ مِنْ : پُرانا، کُہنہ

ہم کنار : (ف) ہَمْ کِنا رْ : بغل گیر، ہم آغوش

گریز : (ف) گُرِ یزْ : بھاگنا، فرار، علاحدگی، پرہیز

نہاں : (ف) نِہَا ں : پوشیدہ، چھپا ہوا، مخفی

شش و پنج : (ف) شَشْو پَنْ جْ : اُدھیڑ بُن، فکر و اندیشہ، کش مکش

مستقل پڑھنے والوں کے لیے ایک تحفہ

ہمدرد نونہال کے ہزاروں پڑھنے والے ایسے ہیں جو برسوں سے پابندی کے ساتھ رسالہ خرید کر پڑھتے ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہم اُن کے لیے ہر ماہ عُمدہ عُمدہ کہانیوں، معلومات اور تفریحات کا گلدستہ پیش کرتے ہیں، لیکن اب فیصلہ کیا گیا ہے کہ ہمارے ایسے مُستقل دوستوں کو کوئی تحفہ بھی پیش کیا جائے۔

جنوری ۸۵ء سے رسالے میں ایک کوپن لگایا جارہا ہے۔ یہ تعلیمی تحفے کا کوپن ہے اور ہر مہینے لگایا جائے گا۔ اس کوپن کی صفائی سے خانہ پُری کیجیے اور کاٹ کر اپنے پاس محفوظ رکھ لیجیے۔ جب بارہ کوپن ہوجائیں تو آپ احتیاط سے ہمیں بھیج دیجیے۔ ہم آپ کو مندرجہ ذیل مُفید و دل چسپ کتابوں میں سے جو کتاب آپ کو پسند ہوگی وہ بھیج دیں گے:۔

(۱) جاگو جگاؤ، از حکیم محمد سعید (۲) غذائیں دوائیں (۳) چند مشہور طبیب اور سائنس داں (۴) سُنہرے اصول، از حکیم محمد سعید (۵) صحت کی الف بے، از مسعود احمد برکاتی (۶) ننّھا سیّاح، از محمد زکریا مائل۔

ان میں سے جو کتاب بھی آپ کو پسند ہو اُس کا نام کوپنوں میں لکھ دیجیے۔ بارہ کوپنوں میں سے ہر کوپن کی خانہ پُری کیجیے تاکہ کوئی دُوسرا اُن سے فائدہ نہ اُٹھا سکے۔

اس کے علاوہ یہ فیصلہ بھی کیا گیا ہے کہ بارہ کوپن جمع کر کے بھیجنے والے اگر ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کی شائع کردہ کتابیں خریدنا چاہیں تو اُن سے ۲۵ فی صد قیمت کم لی جائے۔

اپریل ۱۹۸۵ء

کوپن علمی تحفہ

میں ہمدرد نونہال مُستقل پڑھنے اور خریدنے والا/والی ہوں اور بارہ کوپن جمع کر کے بھیج رہا/رہی ہوں۔ مہربانی کر کے مجھے مندرجہ ذیل کتاب علمی تحفے کے طور پر بھیج دیجیے۔

نام کتاب: ____________________

نام: ____________ عُمر: ______ تعلیم: ____________

پتا: ____________________

____

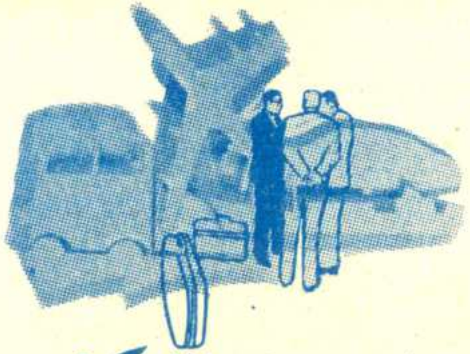

سفر میں کارمینا ساتھ رکھیے

سفر مختصر ہو یا طویل سفر کی تکان، آب وہوا
اور کھانے پینے کے معمول میں تبدیلی، عموماً
نظامِ ہضم کو متاثر کرتی ہیں۔
دورانِ سفر اپنی غذا کا خاص خیال رکھیے۔
اناپ شناپ اور مرچ مسالے دار
اشیائے خوردنی سے پرہیز کیجیے۔
بدہضمی، قبض، گیس، سینے کی جلن
اور تیزابیت وغیرہ کی صورت میں
کارمینا استعمال کیجیے۔

کارمینا

نظامِ ہضم کو بیدار کرتی ہے، معدے
اور آنتوں کے افعال کو منظم و درست کرتی ہے

کارمینا ہمیشہ گھر میں رکھیے

ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

آوازِ اخلاق
دیانت داری خود اعتمادی پیدا کرتی ہے

Adarts CAR-2/82

مسکراتے رہو

○ ایک شخص بڑے جوش و خروش سے اپنے دوست کو بتا رہا تھا کہ اپنی بیوی سے آج زبردست جنگ ہوئی، مگر آخر میں وہ میرے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گئی۔

"آخر وہ کیسے؟" دوست نے پوچھا۔

"وہ گھٹنوں کے بل بیٹھی اور پلنگ کے نیچے جھانک کر مجھ سے کہا،" اب نکل آؤ، کچھ نہیں کہوں گی۔"

مرسلہ: عائشہ عنبرین، کراچی

○ پادری نے بچے سے پوچھا،"بیٹے ڈاک خانہ کہاں ہے؟"

بچے نے اشارے سے بتا دیا تو پادری بہت خوش ہوا اور کہنے لگا،"بیٹے کل گرجا آنا، میں تمھیں جنت کا راستہ بتاؤں گا۔"

بچے نے جواب دیا،"آپ کو ڈاک خانے کا راستہ نہیں معلوم، آپ جنت کا راستہ کیا بتائیں گے۔"

○ ایک کنجوس نے اپنے بیٹے کو نظر کا چشمہ دیتے ہوئے ہدایت کی:"بیٹا، جب کسی چیز کی طرف دیکھنا نہ ہو تو چشمہ اُتار دیا کرنا۔"

مرسلہ: محمد سلیم بھٹی، سکھر

○ امریکا کے ایک بینک میں ایک ڈاکو جا کے کیشیئر کو ایک پرچی دیتا ہے، جس میں لکھا ہوتا ہے کہ "بیس ہزار ڈالر فوراً مجھے دے دو، اگر شور مچایا تو گولی مار دوں گا۔"

جواب میں کیشیئر بھی ایک پرچی دیتا ہے، جس میں لکھا ہوتا ہے کہ "اپنی ٹائی کی گرہ صحیح کر لو، تمھاری تصویریں اُتاری جا رہی ہیں۔"

مرسلہ: سید سالار حسین نقوی، کراچی

○ استاد: (شاگرد سے) بتاؤ عینک کیا چیز ہے؟"

شاگرد: عینک ایک ایسی بلا ہے جو ناک پر بیٹھ کے کانوں کو پکڑ لیتی ہے۔

مرسلہ: عاطف عباس، لاہور

○ ایک صاحب: (بڑی گرمجوشی سے) اچھا تو آپ وہ مشہور آرٹسٹ ہیں، جنھیں جانوروں کی تصویریں بنانے

میں کمال حاصل ہے۔"

فن کار: جی ہاں، کیا آپ کا ارادہ بھی تصویر بنوانے کا ہے۔ مرسلہ: راشد چراغ، کراچی

○ بیٹا: "امّاں، امّاں، گاؤں میں دانتوں والا ڈاکٹر آیا ہے۔"

ماں: "اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے۔ کیا ہم لوگوں کے دانت نہیں ہیں کیا؟"

○ کنجوس مالک: (ملازم سے) بتاؤ وہ کون سی چیز ہے جو محنت کے بعد بھی حاصل نہیں ہوتی؟"

ملازم: (معصومیت سے) جناب میری تنخواہ۔"

مرسلہ: نامعلوم

○ ایک راہ گیر کہیں جا رہا تھا کہ کسی گدھے نے اُس کے دو لتّی ماری۔ راہ گیر کو بہت غصّہ آیا۔ اس نے بھی اپنی ٹانگ زور سے گدھے کے پیٹ میں ماری اور کہنے لگا "کیا تُو سمجھتا ہے کہ میں تجھ سے کم ہوں۔"

مرسلہ: سمیرا سحر، ملتان

○ بیٹا: (ماں سے) "امّی جان، اس فقیر کو روٹی نہ دینا۔"

ماں: لیکن بیٹے، اس نے کیا گناہ کیا ہے۔"

بیٹا: امّی جان، یہ مانگتا خدا کے نام پر ہے اور خود کھا جاتا ہے۔ مرسلہ: صابر حسین، ملیر کالونی

○ ایک عورت نے اپنی پڑوسن کے فریج میں برف رکھوائی۔ دوسرے دن عورت برف لینے آئی تو صحن میں پڑوسن کا بیٹا کھیل رہا تھا۔ عورت نے بچّے سے پوچھا، "اے مُنّے، کیا تمھاری امّی گھر پر نہیں ہیں؟"

بچّہ: (گھبرا کر) "جی ہاں آنٹی، اگر آپ پرسوں والے پچاس رُپے دینے آئی ہیں تو امّی گھر پر ہیں، اور اگر آپ برف لینے آئی ہیں تو وہ برف اس جہان سے فنا ہو چکی ہے اور امّی شاپنگ کرنے گئی ہیں۔"

مرسلہ: ذاکر حسین، نگہت ذاکر، کراچی

○ ایک استاد جن کا نام شاہ جہاں تھا، جماعت میں تاریخ پڑھا رہے تھے، انھوں نے پوچھا، "بچو! بتاؤ تاج محل کس نے بنوایا تھا؟"

پیچھے سے ایک بچّے نے کہا، "سر آپ نے۔"

○ شکیل: (ارشد سے) بتاؤ، دنیا کا سب سے بڑا سائنس داں کون ہے؟"

ارشد: وہ جس نے نقل کرنے کا طریقہ ایجاد کیا۔

○ امّی نے ڈانٹ کر کہا، "سہیل، بتاؤ تم نے صبح پرس میں سے کتنے پیسے نکالے تھے۔"

سہیل: امّی جتنے اس کے اندر تھے۔"

امّی: وہ تو مجھے بھی معلوم ہے۔"

سہیل: "تو پھر آپ پوچھ کیوں رہی ہیں۔"

مرسلہ: ایم سعد اقبال باد صبا، کراچی

○ باپ: بیٹا، آج کا پرچا کیسا کیا؟

بیٹا: ابّا، اتنا آسان پرچا تھا کہ میں زبانی ہی کر آیا اور پرچہ خالی دے آیا۔

مرسلہ: غلام مرتضےٰ شاد، وزیر آباد

نونہال ادیب

بعض نونہال دوسرے شاعروں کی نظم نقل کر کے بھیج دیتے ہیں۔ یہ بات اچھی نہیں ہے۔ ہم ایک ترکیب بتاتے ہیں۔ جو نظم آپ کو پسند آئے، اس کو نقل کر کے ہمیں بھیج دیجیے، لیکن جس شاعر کی نظم ہے اس کا نام اور جس رسالے یا کتاب سے نقل کی ہے اس کا نام بھی لکھ دیجیے۔ ہم آپ کا نام بھی لفظ مرسلہ کے ساتھ شائع کر دیں گے۔ اس طرح آپ کی بدنامی کبھی نہیں ہو گی، لیکن زیادہ اچھی بات یہ ہے کہ آپ خود لکھنے کی کوشش کریں۔

حمد

مرسلہ: محمد عامر عزیز، کراچی

حمد کرتے ہیں ہم خدا تیری
زندگی خود ہے اک ثنا تیری
پوری دنیا کا تُو ہی خالق ہے
تُو ہی داتا ہے تُو ہی رازق ہے
تُو نے پھولوں کو تازگی بخشی
تُو نے انساں کو زندگی بخشی
تیری بخشش ہے عام دنیا پر
تیری رحمت تمام دنیا پر
تیرا احساں ہے اے خدا ہم پر
کیوں جھکائیں نہ تیرے آگے سر

نعت

مرسلہ: محمد اقبال قمر، گوجرانوالہ

مدینے سے واللہ جام آ گیا ہے
جسے پی کے لطفِ دوام آ گیا ہے
فرشتے مجھے چومتے کیوں نہ جائیں
میرے لب پہ احمدؐ کا نام آ گیا ہے
حبیبِ خدا کے عدو کانپتے ہیں
حبیبِ خدا کا غلام آ گیا ہے
بنا ہوں میں جب سے گدائے محمدؐ
مجھے دو جہاں کا سلام آ گیا ہے
خوشی سے قمر میں نہ کیوں بھول جاؤں
میرے نام اُن کا پیام آ گیا ہے

علامہ اقبال کا پیغام

سید محمود زیدی، کراچی

علّامہ محمد اقبال ۹۔ نومبر ۱۸۷۷ء کو سیال کوٹ میں شیخ نور محمد کے گھر پیدا ہوئے۔ علّامہ محمد اقبال کو اللہ تعالیٰ نے برّصغیر میں مسلمانوں کو بیدار کرنے اور ان کی راہ نمائی کے لیے منتخب کیا تھا، اس لیے انھیں تمام فطری صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں۔ ان کے دل میں اسلام سے بے انتہا محبّت تھی اسی لیے انھیں عالمِ اسلام کی پستی اور زبوں حالی کا شدید احساس تھا۔ ان کے دل میں سب سے بڑی تمنّا یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو عروج پر دیکھیں۔ اس کے لیے انھوں نے شاعری کو ذریعۂ اظہار بنایا۔ چناں چہ انھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے سے ملّتِ اسلامیہ کو جو پیغام دیا وہ عزم و عمل اور اتحاد و اتفاق کا پیغام تھا۔ غلامی کی زنجیریں توڑ دینے کا پیغام تھا۔ اقبال فرنگی تہذیب کو زہرِ ہلاہل تصوّر کرتے تھے۔ وہ مشرقی اور اسلامی اقدار کو پسند کرتے تھے۔ اقبال کی شاعری کی ابتدا ان کے طالب علمی کے زمانے سے ہوتی ہے۔ انھوں نے وطنِ عزیز کے لیے نظمیں لکھیں، لیکن جلد ہی وہ وقت آیا جب وہ وطن پرستی کے محدود دائرے سے نکل کر عالمِ اسلام کے ترجمان بن کر اُبھرے اور ان کے ملّی نغموں نے برّصغیر کے گوشے گوشے میں دھوم مچادی۔ وہ اہم پیغام کیا ہے جو اقبال نے دیا؟ یہ وہ پیغام ہے جو علامہ اقبال کو اُس وقت ملا جب اُن میں دین و ملّت کی محبّت کا جذبہ پیدا ہوا۔

یہ پیغام دے گئی ہے مجھے بادِ صبح گاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام پادشاہی
تری زندگی اسی سے تری آبرو اسی سے
یہ رہی خودی تو شاہی جو نہ رہی تو رُوسیاہی

علّامہ اقبال کی نظر میں خودی ہی انسان کا جوہر ہے اور یہ ہمہ گیر قوّت رکھتی ہے۔ اسی قوّت سے انسان مومن کے درجے پر پہنچتا ہے۔ ۲۱۔ اپریل ۱۹۳۸ء کو یہ عظیم شاعر ہم سے جُدا ہو گیا۔

اقبال میری نظر میں

شگفتہ فرحت، کراچی

قیامِ پاکستان برّصغیر کے مسلمانوں کے برسوں کے خواب کی تعبیر تھی جس کو انھوں نے اپنے لہو کا خراج دے کر حاصل کیا۔ برّصغیر کے مسلمانوں میں آزادی کی تڑپ اور غلامی سے نجات کا جذبہ پیدا کرنے میں جس تاریخ ساز شخصیت نے اپنا کردار انجام دیا اس کا نام ڈاکٹر علّامہ اقبال ہے، جن کا تعارف خود اُن کے اس شعر سے ہو سکتا ہے۔

قہّاری و غفّاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

نام شیخ محمد اقبال تھا اور اقبال ہی تخلّص کرتے تھے۔ ۱۸۷۷ء میں بہ مقام سیال کوٹ پیدا ہوئے شروع

ہی سے طبیعت شاعری کی طرف مائل تھی۔ اقبال کی شاعری عمل اور آزادی کی شاعری ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں لوگوں کو عمل کرنے کی دعوت دی ہے اور کہا ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے والوں کے لیے ناکامیوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ انھوں نے اس بات کو ایک خوب صورت شعر میں پیش کیا ہے:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنّم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

علامہ اقبال نہ صرف ایک بلند پایہ شاعر ہیں بلکہ ایک فلسفی کی حیثیت سے بھی مشہور ہیں۔ آپ نے برّصغیر کے مسلمانوں کو اُس وقت فلسفۂ خودی سے روشناس کرایا جب وہ انگریزوں کی محکومی میں نااُمیدی اور مایوسی کی حالت میں زندگی گزار رہے تھے۔ آپ کے فلسفۂ خودی نے برصغیر کے شکست خوردہ مسلمانوں کے مردہ لہو میں حرارت اور مایوس ذہن کو امید کی کرن سے منوّر کر دیا۔ آپ نے مسلم لیگ کے اجلاس میں یہ واضح تصوّر پیش کیا کہ ہندو اور مسلمان علاحدہ قومیں ہیں۔ ان کے کلچر اور طرزِ زندگی میں کوئی ایسی مشابہت نہیں ہے جو ان کو ہم آہنگ کر سکے، لہٰذا دونوں اقوام کے لیے جداگانہ مملکت کا قیام ازحد ضروری ہے۔ آپ کے اسی تصوّر کو عملی جامہ پہنانے کے لیے قائدِ اعظم محمد علی جناح میدانِ کارزار میں آئے اور برصغیر کی مایوسی میں ڈوبی اور احساسِ کم تری کا شکار مسلمان قوم کی راہ نمائی کی۔ جس کا نتیجہ آج ہم اپنے مادرِ وطن پاکستان کی صورت میں دیکھ رہے ہیں۔ علامہ اقبال کو قائدِ اعظم سے سچی عقیدت تھی۔

علامہ اقبال نہ صرف ایک قومی رہنما کی حیثیت سے ایک منفرد مقام کے حامل ہیں، بلکہ ایک بلند پایہ فلسفی، نیک انسان، اصول پرست اور عظیم شاعر کی حیثیت سے بھی ایک نمایاں مقام کے مالک ہیں۔ آپ کے اشعار میں تخیّل کی بلند پروازی، خیالات کی نزاکت اور بیان میں زور اور روانی پائی جاتی ہے۔ آپ کی شاعری کا محور خودی کا فلسفہ ہے۔ اس فلسفے کے مطابق انسان اپنی خودی سے کام لے کر ہر مشکل کو رد کر سکتا ہے اور یہ خودی کا احساس اس کو مایوسی کے اندر پہنچنے سے پہلے ہی اُسے باہر لے آتا ہے۔ ذیل میں اقبال کے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں:

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

اے طائرِ لاہوتی اِس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

اقبال

مرسلہ: احمد دین، کراچی

خوابِ گراں سے ہم کو جگایا
یک جہتی کا سبق سکھایا

سارے مسلم جُدا جُدا تھے
تُو نے سب کو ایک بنایا
تُو نے ہر مسلم کے دل میں
آزادی کا شعلہ بھڑکایا
پیار، محبت، امنِ عالم
دنیا کو پیغام سُنایا
ہم رستے سے بھٹک چکے تھے
تُو نے رستہ ہمیں دکھایا
بنتی ہے تقدیر عمل سے
تُو نے یہ اقبال بتایا
قرآں نے جو درس دیا تھا
تُو نے ہمیں وہ یاد دلایا
سچ ہے تیرے بعد اقبال
شاعر کوئی تجھ سا نہ آیا
قرآں کے پیغام کو تُو نے
ساری دنیا میں پھیلایا
عزم و عمل کے شعر سُنا کر
سب کی روحوں کو گرمایا
نظم، یقین اور یک جہتی کا
تُو نے ہم کو سبق پڑھایا
اب تیرے اشعار ہیں سب ہی
ملک و ملّت کا سرمایا

○

ایک دل چسپ قصّہ

آفتاب حسین کھتری، کراچی

سائنس میں ارشمیدس کی شہرت کا سبب یہ ہے کہ اس نے یہ اصول دریافت کیا کہ جب کوئی ٹھوس چیز کسی مائع میں ڈالی جائے تو اس سے جتنی مائع اپنی جگہ چھوڑتی ہے اس کے وزن کے برابر اس ٹھوس چیز کا وزن گھٹ جاتا ہے۔ اس اصول کو "اصولِ ارشمیدس" کہتے ہیں۔ ارشمیدس نے یہ اصول کس طرح دریافت کیا؟ اس کا بہت دل چسپ قصّہ ہے۔

سسلی کے بادشاہ نے سونے کا ایک تاج بنوایا۔ اُسے شک تھا کہ سنار نے دھوکا کیا ہے اور اس میں کچھ چاندی کی ملاوٹ کر دی ہے۔ بادشاہ نے ارشمیدس کے سامنے اپنا شک بیان کیا اور اس سے کہا کہ وہ دیکھے کہ تاج کا سونا خالص ہے یا اس میں کھوٹ ہے، لیکن یہ جانچتے وقت تاج کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ ارشمیدس کوشش کرتا رہا، لیکن بہت عرصے تک وہ کوئی ایسا طریقہ دریافت نہ کر سکا، جس سے تاج کے سونے کے کھرے یا کھوٹے ہونے کا پتا چل سکے اور تاج کو کوئی نقصان بھی نہ پہنچے۔ ایک روز ارشمیدس نہا رہا تھا۔ نہانے کے دوران اس نے دیکھا کہ جوں ہی اس کا جسم پانی کے اندر گیا پانی کی سطح اوپر اُٹھ گئی اور اس کا جسم بھی ہلکا ہو گیا۔ یہ دیکھتے ہی اس نے محسوس کر لیا کہ مسئلہ حل ہو گیا ہے۔ وہ خوشی سے پھولا نہ سمایا

اور اسی حالت میں ننگا ہی باہر نکل آیا اور سیراکیوس (سسلی کا دار الحکومت) کی گلیوں میں "یوریکا! یوریکا!" ("میں نے پتا چلا لیا! میں نے پتا چلا لیا!") چلّاتا پھرا۔

اس نے دریافت کر لیا تھا کہ ٹھوس چیزوں کو پانی میں ڈال کر اُن کے ٹھوس پن کا موازنہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک ہی ٹھوس چیز کے دو الگ نمونے لے کر پانی میں ڈالے جائیں۔ ایک نمونہ خالص ہو اور ایک ملاوٹ والا۔ پانی کے اندر ان کا جتنا وزن گھٹے گا وہ ایک سا نہیں ہو گا۔ اس طرح کھرے اور کھوٹے کی پہچان کی جا سکتی ہے۔ چناں چہ پانی کے اندر چاندی کی ملاوٹ والے سونے کے تاج کا وزن وہ نہیں ہو گا جو خالص سونے کے تاج کا ہو گا۔

مولانا شوکت علی

سعید احمد سعید، دھنوٹ

مولانا شوکت علی کے نام سے کون واقف نہیں۔ آپ مولانا محمد علی جوہر کے بڑے بھائی تھے۔ آپ ۱۸۷۲ء میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں ہی والد کی شفقت سے محروم ہو گئے۔ سب سے پہلے بریلی کے ہائی اسکول میں داخل ہوئے، لیکن بعد میں چھوٹے بھائی محمد علی کے ساتھ علی گڑھ بھیج دیے گئے۔

طالب علمی کے زمانے میں شوکت علی کرکٹ کے اچھے کھلاڑی تھے اور کالج کی کرکٹ ٹیم کے کپتان بھی رہے۔ اچھے نمبروں سے بی۔اے کا امتحان پاس کیا اور ملازمت اختیار کر لی۔ ساتھ ساتھ قومی کاموں میں دل چسپی لیتے رہے۔ مولانا شوکت علی پر علی گڑھ کی تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ آپ مسلمانوں کے مفاد کے لیے ہر وقت فکر مند رہتے تھے۔

آپ قومی خدمت کے جذبے سے اس قدر سرشار تھے کہ آپ نے برِصغیر کی مسلم سیاست میں رونما ہونے والی اہم تبدیلیوں کے پیشِ نظر ملازمت سے سبک دوشی حاصل کر لی اور اپنے آپ کو قومی جدوجہد کے لیے وقف کر دیا۔ سیاست کے میدان میں مولانا شوکت علی ہمیشہ اپنے چھوٹے بھائی مولانا محمد علی جوہر کے ساتھ رہے۔

برصغیر کی سیاسی تاریخ میں انھیں علی برادران کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ پہلی جنگِ عظیم کے دوران ۱۹۱۵ء میں علی برادران کو قید میں ڈال دیا گیا۔ ۱۹۱۹ء میں جب وہ ایک ساتھ رہا ہو کر امرتسر پہنچے تو ان کا والہانہ استقبال کیا گیا۔ علی برادران گاندھی جی کی شخصیت سے بہت متاثر تھے۔ گاندھی اور ان کے درمیان ایک سمجھوتہ ہوا جس کے تحت خلافت اور عدم تعاون کی تحریکیں آپس میں مل گئیں۔ اس متحدہ قوت نے برطانوی حکومت کی بنیادیں ہلا ڈالیں۔ ۱۹۲۱ء میں دونوں بھائیوں کو دوبارہ گرفتار کر لیا گیا۔ خالق دینا ہال میں ان پر مقدمہ چلایا گیا۔ عدالت نے دونوں بھائیوں کو دو سال قیدِ بامشقت کی سزا دی۔ ۱۹۲۱ء میں علی برادران کی موجودگی میں گاندھی نے اچانک عدم تعاون

کے خاتمے کا اعلان کر کے تحریکِ خلافت کو ختم کردیا۔ اس سے تحریک کے راہ نماؤں کو سخت صدمہ پہنچا۔

تحریکِ خلافت کے خاتمے کے بعد بھی مولانا شوکت علی کی دل چسپی جاری رہی، لیکن بہت جلد ان پر اپنے بھائی محمد علی جوہر کی طرح کانگریس کی مسلم کُش پالیسی آشکار ہو گئی اور وہ مسلم لیگ سے وابستہ ہو گئے۔

جب ۱۹۳۱ء میں قائدِ اعظم نے مسلم لیگ کو از سرِ نو منظم کیا اور انتخابات کی تیاری شروع کی تو مولانا شوکت علی نے امیدواروں سے پورا تعاون کیا اور کنویسنگ میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔

مولانا شوکت علی نے ۲۸۔ نومبر ۱۹۳۸ء کو وفات پائی۔ قائدِ اعظم نے ان کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا: "مولانا شوکت علی کے انتقال سے اسلامیانِ برصغیر ایک بلند پایہ مخلص لیڈر سے محروم ہو گئے ہیں جو اپنی قوم کا جاں باز سپاہی تھا۔ وہ ایک چٹان کی طرح ہماری پشت پناہی کرتے تھے۔"

اگرچہ مولانا شوکت علی کی شخصیت اپنے چھوٹے بھائی محمد علی جوہر کے برابر نمایاں طور پر نہ اُبھر سکی۔ تاہم ان کی خدمات مسلمانوں کی جدوجہدِ آزادی کی تاریخ کا ایک درخشاں اور ناقابلِ فراموش باب ہیں۔

پہیلیاں

مرسلہ: شازیہ حق، کراچی

(۱) ایک گز کا طُول
کبھی کلی کبھی پھول

(۲) راجا کے راج میں نہیں
مالی کے باغ میں نہیں
چھیلو تو چھلکا نہیں
کھاؤ تو گٹھلی نہیں

(۳) کبھی چھوٹا کبھی بڑا
بے سہارا فضا میں کھڑا
شب کو آئے، دن کو جائے
بوجھنے والا مجھ کو بتائے

جوابات

(۱) چھتری (۲) اولے (۳) چاند

چند دل چسپ اعداد و شمار

عمران فیروز خلجی، کراچی

○ پاکستان میں خواندگی کا تناسب ۲۰ فی صد ہے۔

○ ملک میں ہر قسم کے اخبارات و جرائد کی تعداد ۶۲۹ ہے۔ ان میں ۴۲۴ اردو، ۱۲۱ انگریزی اور باقی ملک کی سات علاقائی زبانوں میں شائع ہوتے ہیں۔ روزناموں میں ۷۸، اردو اور ۱۲، انگریزی زبان میں شائع ہوتے ہیں۔ کراچی سے ۲۰ اور لاہور سے ۱۷ روز نامے شائع ہوتے ہیں۔ ایک ہزار آدمیوں میں سے صرف ۱۸ افراد اخبار خرید کر پڑھتے ہیں۔ اخبارات کی اشاعت کے اعتبار سے پاکستان کا دنیا میں ۱۱۲ واں نمبر ہے۔ اخبارات و رسائل کے لیے فراہم کیے جانے والے کاغذ کی سالانہ مقدار ۱۹ ہزار ٹن ہے۔

○ ملک میں ۱۷ ریڈیو اسٹیشن ہیں۔ جن کی نشریات ۸۰۰ گھنٹے فی ہفتہ ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق ملک بھر میں ایک کروڑ کے قریب ریڈیو سیٹ موجود ہیں۔ ملک میں ٹی وی نشریات کا آغاز ۱۹۶۴ء میں ہوا تھا۔ ۱۹۷۶ء میں رنگین نشریات کا آغاز ہوا۔ جون ۱۹۸۲ء تک ملک بھر میں ٹی وی سیٹ کی تعداد ۱۰ لاکھ ۵۵ ہزار تھی۔ جن میں سے ۹ لاکھ ۴۵ ہزار بلیک اینڈ وائٹ اور باقی ایک لاکھ دس ہزار رنگین سیٹ تھے۔ ۱۹۸۱ء میں مقامی طور پر ۱۰ لاکھ ۲ ہزار سات سو پینتالیس (۱۰،۰۲،۷۴۵) ٹی وی سیٹ تیار کیے جاتے تھے۔

○ ملک کی فلمی صنعت پانچ سال قبل ۱۰۰ فلمیں سالانہ تیار کرتی تھی۔ فلموں کی تعداد کے لحاظ سے دنیا میں پاکستان کا ساتواں نمبر تھا، مگر اب یہی تعداد گھٹ کر ۲۵ فلمیں سالانہ رہ گئی ہے۔ ۱۹۸۲ء میں صرف ایک اردو فیچر فلم کی نمائش کی گئی۔ ملک میں سینما گھروں کی تعداد ۶۱۹ ہے، جن میں ۷ لاکھ افراد فلم دیکھ سکتے ہیں۔ (بہ حوالہ روزنامہ جنگ کراچی، ۲۶ فروری ۱۹۸۳ء)

بے جا شرم

رخسانہ مطلوب، کراچی

"اندھے فقیر کو کوئی سڑک پار کرادے۔" وہ یہ آواز کافی دیر سے سن رہا تھا۔ سڑک پر کافی رش تھا۔ ٹریفک کے اس بے پناہ ہجوم میں عامر کتنی ہی دیر سے سڑک کے کنارے کھڑا ٹریفک کم ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے برابر میں ایک اندھا فقیر بھی سڑک پار کرنے کے لیے کھڑا تھا، مگر کوئی ایسا نہ تھا جو اُس بوڑھے فقیر کو سڑک پار کرا دیتا۔ کئی بار عامر نے چاہا کہ وہ ٹریفک کم ہوتے ہی اُس کا ہاتھ تھام کر سڑک پار کرادے، مگر ہر بار اُسے شرم آتی کہ لوگ کیا کہیں گے کہ وہ اتنے غلیظ بوڑھے کا ہاتھ پکڑ کر سڑک پار کرا رہا ہے۔ ٹریفک کم ہوتے ہی وہ سڑک پار کر کے اپنے گھر کی جانب چل پڑا، لیکن اُس بوڑھے فقیر کی آواز اس کے کانوں سے ٹکراتی رہی۔ اس کا ضمیر اُسے ملامت کر رہا تھا اور وہ شرمندہ ہو رہا تھا کہ وہ خواہ مخواہ لوگوں کے مذاق اُڑانے کے ڈر سے ایک نیکی سے محروم رہا۔ وہ گھر میں داخل ہوا تو اس کی امّی اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ اس نے امّی کے ساتھ کھانا کھایا اور دوپہر کو سونے کے لیے لیٹا تو نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دُور تھی۔ وہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا رہا اور پھر سو گیا۔ عامر روز اسکول سے آتے ہوئے اُس فقیر کو دیکھتا تھا لیکن وہ روز خود سڑک پار کر لیتا اور وہ فقیر سڑک کے کنارے کھڑا رہ جاتا۔ نہ جانے کون اللہ کا بندہ اُسے روز سڑک پار کرا دیتا تھا۔ عامر دوسرے دن اسکول گیا تو ماسٹر صاحب بتا رہے تھے کہ "اللہ تعالیٰ صرف اس بندے سے پیار کرتا ہے جو اللہ کے بندوں سے پیار کرتا ہے اور بندوں کے کام آتا ہے۔ ہمیں کسی کو غریب جان کر اس کی مدد سے گریز نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اس کی اور زیادہ مدد کرنی چاہیے تاکہ اللہ

ہم سے خوش ہو اور ہم جنّت کے حق دار بن جائیں۔"

ماسٹر صاحب کی باتوں کا عامر پر بہت اثر ہوا اور اُس نے دل میں عہد کر لیا کہ وہ اب اُس بوڑھے فقیر کو روز سڑک پار کرا دیا کرے گا۔ جب اسکول کی چھٹی ہوئی تو وہ تیز تیز قدموں سے گھر کی جانب چل پڑا اور سڑک کے کنارے پہنچ کر اس نے بوڑھے فقیر کو دیکھا اور اُس نے لوگوں کی نظروں کی پروا کیے بغیر فقیر کا ہاتھ پکڑا اور اُسے سڑک پار کروا دی۔ فقیر اُسے دعائیں دیتا ہوا اپنی راہ پر چل دیا اور عامر اپنے گھر کی جانب روانہ ہو گیا۔

آج وہ بہت خوش تھا۔ اُس کا ضمیر اُسے ملامت نہیں کر رہا تھا۔

چاند کی پریاں

مرسلہ، سلمٰی، کراچی

دادی اماں کہتی ہیں
چاند پہ پریاں رہتی ہیں
روز اُتر کر آتی ہیں
اپنے پَر پھیلاتی ہیں
آج نہیں سوؤں گی
چاند کی پریاں دیکھوں گی
دادی اماں کہتی ہیں
چاند پہ پریاں رہتی ہیں

جاسوسی کا بھوت

گمنام خیالی، کراچی

ایک دن ہم بازار میں گھوم رہے تھے کہ ہمارے ذہن میں کوئی بڑا کارنامہ انجام دینے کا خیال آیا۔ ہم نے کئی دن تک اس پر غور کیا۔ پھر ہم نے سوچا کہ کیوں نہ ہم جاسوسی کریں۔ کیا معلوم ہم کسی خطرناک مجرم کو گرفتار کرانے میں کام یاب ہو جائیں، لہٰذا ہم نے جاسوسی کا سامان اِکھٹا کرنا شروع کر دیا۔ ایک جوڑا دستانے، ایک عدد ٹارچ اور ایک نوٹ بک خریدی۔ اس کے علاوہ چند دوسری چیزیں بھی۔ اب ہم نے جاسوسی کرنے کے بارے میں سوچنا شروع کیا لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ ایک عرصے سے ہمارے محلّے میں چوری نہیں ہوئی تھی۔ ہم نے سُن رکھا تھا کہ زیادہ تر مجرم آسیب زدہ مکانوں میں اپنا ٹھکانہ بناتے ہیں۔ بڑی مشکل سے ہمیں ایک آسیب زدہ مکان کا سراغ ملا، جس کے بارے میں مشہور تھا کہ اُس سے رات کو ڈراؤنی چیخیں سنائی دیتی ہیں۔ یہ جان کر میری ہمّت جواب دے گئی، لیکن پھر ہم نے سوچا کہ اگر ہم نے آسیب زدہ مکان میں روپوش مجرم کو گرفتار کروا دیا تو ہم پہلے گھر میں، پھر محلے میں اور پھر سارے شہر میں مشہور ہو جائیں گے۔

ابھی ہم خیالی پلاؤ پکا رہے تھے کہ امّی کی کان پھاڑ دینے والی آواز سنائی دی۔ ہم اُن کے پاس پہنچے

تو انھوں نے حکم دیا کہ جاؤ، بازار سے ایک کیلو گوشت لے آؤ۔ اسی کے ساتھ انھوں نے ایک لمبی فہرست بھی تھما دی۔ ہم تو آسیب زدہ مکان کے خیال میں گُم تھے، مجبوراً سامان لانے کے لیے جانا پڑا اور سائکل پر بازار روانہ ہو گئے۔ ابھی ہم نے آدھا راستہ ہی طے کیا تھا کہ ایک جگہ لوگوں کا ہجوم دیکھا تو رُک گئے۔ معلوم ہوا کہ ایک بچّہ کُھلے ہوئے مین ہول میں گر گیا ہے۔ ہمیں بہت افسوس ہوا۔ کچھ دُور گئے تھے کہ ایک بچّہ ہماری سائکل کے نیچے آگیا۔ ہم نے گھنٹی بجانی چاہی تو معلوم ہوا کہ کسی نے ہماری سائکل کی گھنٹی اُتار لی ہے۔ آخر سائکل بچّے سے ٹکرا گئی اور بچّہ سائکل کے نیچے آگیا۔ ہم نے بڑی مشکل سے سائکل روکی اور سائکل لے کر بھاگنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ بچّے کی ماں آدھمکی۔ وہ شاید پہلے ہی اس بات کی منتظر تھی کہ کب بچّہ کسی سواری کے نیچے آئے اور وہ اس سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے آدھمکے۔ چناں چہ اُس عورت نے مجھ پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ ہم نے اُن محترمہ کو بہت سمجھایا کہ آپ کا بچہ اچانک سائکل کے سامنے آ گیا تھا اور اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے، لیکن وہی مرغے کی ایک ٹانگ والی بات یعنی غلطی تمھاری ہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے میرے ارد گرد لوگوں کا ہجوم جمع ہو گیا۔ سب نے ہمیں لعنت ملامت کی۔ اب ہم کیا بتاتے کہ قصور کس کا تھا۔ ہم وہاں سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ اور پھر کسی حادثے کے بغیر صحیح سلامت بازار پہنچ گئے۔ وہاں سے سودا سلف لیا، مگر جب جیب میں ہاتھ ڈالا تو معلوم ہوا کہ جیب سے پچاس رُپے کا نوٹ غائب ہے۔ عین اُس وقت میں نے دیکھا کہ ایک لڑکا دُکان دار کے گلّے سے رُپیہ نکال کر بھاگ رہا ہے۔ ہماری جاسوسی کی رگ پھڑک اُٹھی اور "چور، چور" کی گردان کے ساتھ لڑکے کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیا۔ دُکان دار صاحب یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم نے چوری کرلی ہے۔ وہ بھی ہمارے پیچھے پیچھے دوڑنے لگے۔ دوڑتے ہوئے ہماری ٹکر ایک نہایت دُبلے پتلے کم زور سے شخص سے ہو گئی۔ وہ شخص بھی میرے پیچھے دوڑنے لگا۔ وہاں سے ایک کانسٹبل گزر رہا تھا کانسٹبل نے جب چور چور کی آواز سُنی تو وہ بھی ہمارے پیچھے دوڑ پڑا۔ ہمارے آگے چور لڑکا، اس کے پیچھے ہم اور ہمارے پیچھے دُکان دار، اس کے پیچھے وہ دھان پان سا شخص اور سب سے آخر میں کانسٹبل صاحب۔ ہم اس رفتار سے دوڑ رہے تھے کہ اگر عالمی اولمپک کے مقابلے میں حصّہ لیتے تو ضرور کام یاب ہوتے، مگر چور لڑکا شاید مانا ہوا ایتھلیٹ تھا اور دوڑنے میں عالمی چیمپین رہ چکا تھا۔

آخر ہم نے اُس کو جا پکڑا۔ ہمارے پیچھے دُکان دار بھی جا پہنچا۔ اس نے جب ہمیں رُکتے ہوئے دیکھا تو اپنے پاؤں سے سلیم شاہی جُوتی اُتار کر ہماری مرمّت کرنی شروع کر دی۔ پھر دھان پان سے شخص نے بھی محمد علی کلّے کی طرح مجھ پر مکّوں کی بارش کر دی، جس میں نام کے لیے بھی گوشت نہیں تھا۔ ہم نے بڑی مہارت سے اپنے چہرے کا بچاؤ شروع کر دیا۔ ہم نے سُن رکھا

تھا کہ باکسنگ میں مکّا منہ پر لگنے سے پوائنٹ ہوتا ہے ۔ ہم نے اُس دُبلے پتلے شخص سے لاکھ کہا کہ بس، بس، ہم پٹ چکے، اب مکّوں کی بارش بند کر دو، لیکن وہ نہیں مانا اور مکّوں کی بوچھاڑ جاری رہی ۔ آخر اس نے تھک کر مجھے چھوڑ دیا ۔ ہم نے انھیں ساری داستان سنائی، جس پر وہ سب بہت شرمندہ ہوئے اور ہم نے اخلاق کا ثبوت دیتے ہوئے انھیں معاف کر دیا (معاف نہ کرتے تو کیا کرتے ۔) ہم نے چور لڑکے کو کانسٹیبل کے حوالے کر دیا اور دُکان دار سے عرض کیا کہ کسی نے ہماری جیب کاٹ لی ہے، اس لیے ہم وہ سودا نہیں لے سکتا ۔

گھر پہنچے تو امّی کا درجۂ حرارت ایک سو فارن ہائٹ پر پہنچ کر کھولنے لگا تھا ۔ انھوں نے ہم پر سوالوں کی بوچھاڑ کر دی، "کہاں رہ گئے تھے؟ اتنی دیر کیوں لگا دی؟" پھر ایسے چونکیں جیسے انھیں کچھ یاد آگیا ہو ۔ پھر چیختے ہوئے بولیں، "خالی ہاتھ کیوں آگئے ہو؟" دوبارہ پوچھا، تیسری بار پوچھا، مگر ہم کو تو جیسے سکتہ ہو گیا تھا ۔ اب تنگ آکر امّی نے اپنے پاؤں سے ہیل والی جوتی نکالی اور ہمارے اوپر برسانی شروع کر دی اور ہم فرار ہونے کے امکانات پر غور کرتے رہ گئے ۔

اس واقعہ کے کئی دن بعد ہم پر پھر جاسوسی کرنے کا بھوت سوار ہوا ۔ اب ہم نے پکّا ارادہ کر لیا کہ ہم جاسوس ضرور بنیں گے ۔ گرمیوں کی ایک چلچلاتی ہوئی دوپہر کو، جب سب گھر والے سو رہے تھے، ہم گھر سے جاسوسی کے سامان سے لیس ہو کر آسیب زدہ مکان کے پاس پہنچ گئے اور مکان کے جالی دار دروازے پر چڑھنے سے قبل اِدھر اُدھر متجسّس نظروں سے دیکھا اور پھر دروازہ پھلانگ کر دوسری طرف کُود گئے ۔ کُودنے کی آواز سُن کر چوکی دار نما شخص آتا ہوا نظر آیا ۔ ہم اُسے آتا ہوا دیکھ کر بوکھلا گئے اور دوبارہ گیٹ پر چڑھنے کی ناکام کوشش کرنے لگے، مگر ابھی ہم نے جالی کو پکڑ کر دروازے کی کنڈی پر پاؤں رکھا ہی تھا کہ پٹھان چوکی دار نے ہماری ٹانگ پکڑ لی اور ہم دھڑام سے نیچے گرے، "خوچہ تم چوری کرتا اے، ام تمارے کو پولس کو دے گا ۔" چوکی دار نے گرج دار آواز میں ہم سے مخاطب ہو کر کہا ۔ میں نے کہا، "نہیں خان صاحب، ہم یہ دیکھ رہے تھے کہ یہاں کوئی مجرم تو نہیں رہتا ۔"

"خوچہ تم امارے کو مجرم سمجھتا ہے ۔" اس کے بعد خان صاحب نے ہاتھوں اور پیروں سے ہماری خوب مرمّت کی اور ہمارے ساتھ گھر جا کر ہماری شکایت کر دی کہ یہ چوری کر رہے تھے ۔ اس کے بعد ہم محلّے میں جاسوس تو مشہور نہ ہو سکے، البتہ چور مشہور ہو گئے ۔ اُس وقت تو ہم نے سب کے سامنے سچّے دل سے توبہ کر لی، لیکن اب ہم میں جاسوس بننے کا جذبہ پھر سے پیدا ہو رہا ہے ۔

ہم نے لاہور دیکھا

عبید اللہ کھہر، کراچی

جب سے ہوش سنبھالا اٹھتے اور پڑھتے آئے تھے کہ جس نے لاہور نہیں دیکھا وہ پیدا ہی نہیں ہوا۔ چوں کہ ہم نے لاہور نہیں دیکھا تھا اس لیے ہم اپنے پیدا نہ ہونے پر اکثر کڑھتے رہتے تھے اور خدا سے دعائیں مانگا کرتے تھے کہ کسی طرح ہمیں لاہور دیکھنے کا موقع عطا کرے۔ آخر رحمتِ خداوندی کو جوش آیا اور ہمارے لیے لاہور کی سیر کا موقع یوں آیا کہ ہمارے اسکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب نے سردیوں کی چھٹیوں میں میٹرک کے طلبہ کے لیے لاہور کی پکنک کا پروگرام بنایا۔

۲۵۔ دسمبر ۱۹۸۱ء کو جمعے کے دن ہم ۵۰ لڑکے اپنے چار استاد صاحبان سمیت صبح کے وقت ٹرین سے لاہور کے عظیم الشان ریلوے اسٹیشن پر اُترے۔ تمام لڑکوں کا سامان ہمارے استاد شریف صاحب نے ہماری قیام گاہ گورنمنٹ لدھیانہ پبلک ہائی اسکول بھجوا دیا تھا۔ ہم تمام لڑکے مختلف گروپ بنا کر "پنجاب اربن ٹرانسپورٹ کارپوریشن" کی بسوں میں سوار ہوئے اور ضلع کچہری کے اسٹاپ پر اُترے اور ناصر باغ کے سامنے لدھیانہ اسکول پہنچ کر ایک کلاس کو صاف کیا اور اپنے بستر اور بیگ سب نے کمرے میں مختلف جگہوں پر جما دیے۔

اسکول کے نل سے نہا دھو کر سفر کی تھکن اتاری اور نئے کپڑے پہن کر لاہور کی سیر کو روانہ ہوئے۔ میں اپنے ایک کلاس فیلو رفعت علی کے ساتھ تانگہ کر کے حضرت داتا گنج بخش کے مزار پر اُترا۔ وہاں سے پیدل چلتے ہوئے عظیم الشان بادشاہی مسجد پہنچا۔ مسجد کا طول و ارض دیکھ کر میں انگشت بدنداں رہ گیا۔ مسجد کا شمال مغربی مینار سیر کرنے والوں کے لیے کھلا ہوا تھا۔ چناں چہ ہم نے دو رُپے کا ٹکٹ لیا اور زینے کے ذریعے سے مینار کی آخری منزل پر پہنچے اور جالیوں سے شہر کا نظارہ کرنے لگے، لیکن سردی کی وجہ سے سارے شہر پہ دُھند طاری تھی جس کی وجہ سے چند قریبی عمارات اور مینارِ پاکستان کے علاوہ کچھ نہیں نظر آرہا تھا۔ واپس اُترے تو نمازِ جمعہ کا وقت ہو رہا تھا۔ چناں چہ وہیں پر مولانا عبدالقادر آزاد صاحب کی امامت میں نماز ادا کی۔ نماز کے بعد مسجد کے عجائب خانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رض سے متعلق متبرک نوادرات کی زیارت کی۔ وہاں سے شاعرِ مشرق حضرت علامہ اقبال رح کے مقبرے پر پہنچے اور عقیدت سے سر جھکا کر فاتحہ پڑھی۔

۲۶۔ دسمبر کی صبح کو اُٹھ کر سب سے پہلے کرائے کی سائکل پر شہر کے جنوبی حصّے کی سیر کی جو نہایت صاف ستھرا علاقہ ہے۔ شارعِ قائدِاعظم پر ضروریاتِ زندگی سے بھرے ہوئے بڑے بڑے اسٹورز دیکھے۔ چوتھی اسلامی سربراہی کانفرنس کی یادگار خوب صورت مینار اور واپڈا ہاؤس کو باہر سے دیکھا اور واپس آ گئے۔ پھر کچھ دیر بعد اساتذہ کے ساتھ شاہی قلعہ اور مینارِ پاکستان کی سیر کو گئے۔ شاہی قلعہ اپنے سرسبز اور خوب صورت باغات اور پھولوں کی وجہ

سے نہایت پسند آیا۔ یہاں خاص طور پر شیش محل اور رنجیت سنگھ کے دورِ حکومت سے متعلق عجائب گھر قابلِ ذکر ہیں۔ شیش محل میں ایک شخص کچھ معاوضہ لے کر اپنی مشعل جلاتا ہے۔ جب مشعل کی روشنی ہزاروں شیشوں سے منعکس ہوتی تو نہایت دل فریب سماں پیدا ہو جاتا تھا۔ عجائب گھر میں اگلے دور کے عجیب و غریب ہتھیار رکھے تھے۔ سکھ دورِ حکومت سے متعلق چند تصویریں بھی رکھی تھیں۔ ان کے علاوہ قابلِ ذکر رنجیت سنگھ کا سفید گھوڑا ہے جسے حنوط کر کے ایک شیشے کے کمرے میں رکھا گیا ہے اور دیکھو تو زندہ محسوس ہوتا ہے۔ شاہی قلعے میں لڑکوں نے اپنے کیمرے سے تصویریں کھینچیں اور وہاں سے سب روانہ ہو کر مینارِ پاکستان پہنچے۔ یہ ایک نہایت خوب صورت سرسبز باغ کے بیچوں بیچ واقع ہے۔ تمام کام سنگِ مرمر کا کیا ہوا ہے۔ مینار کے درمیانی ستون کے چاروں طرف قرآنی آیات، علامہ اقبال کے اشعار اور قرار دادِ پاکستان کی تفصیل وغیرہ لکھی ہیں۔ مینار کے اوپر جانے کے لیے لفٹ خراب تھی۔ چناں چہ ٹکٹ لے کر زینے سے اوپر پہنچے۔ گیلری سے نیچے دیکھو تو باغ بڑا خوب صورت نظر آتا ہے۔ نیچے اُتر کر وہاں کچھ تصویریں بنائیں اور شام کو واپس اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے۔

۲۷۔ دسمبر کے روز سب کا ارادہ تھا کہ جہانگیر کا مقبرہ دیکھا جائے۔ چناں چہ تیار ہو کر سب بس اسٹاپ پر آئے اور ضلع کچہری سے روٹ ۱۱۷ کی بس میں بیٹھے اور چونگی دے کر مقبرۂ جہانگیر کے بالکل سامنے اُترے۔

مقبرۂ جہانگیر لاہور کی ایک قدیم اور تاریخی عمارت ہے۔ اس کے گرد جو دیوار ہے اس میں سیکڑوں چھوٹے

عبیداللہ کیہر
محمد اسلم
اعجاز محمد
امیر الدین
شاداب پارک میں

چھوٹے کمرے اس طرح بنے ہوتے ہیں جیسے کسی بازار میں دُکانیں۔ ان کمروں کی حالت بڑی خستہ ہے۔ درمیان میں نہایت خوب صورت پارک بنے ہوئے ہیں۔ مختلف پھولوں کے کئی پودے ہیں۔ بیرونی کیاریوں کے ساتھ مختلف پھلوں کے درخت بھی ہیں۔ ان باغوں کے درمیان چھوٹی سڑکیں مقبرے تک جاتی ہیں۔ راستے میں کئی فوارے بھی تھے، لیکن پانی ندارد۔

مقبرے کے چاروں کونوں پر چار لمبے اور خوب صورت مینار بنے ہوتے ہیں۔ جہانگیر کی قبر نہایت خوب صورت نیلی ٹائلوں سے بنی ہوئی ہے۔ اردگرد جالیاں بھی لگی ہوئی ہیں۔ فاتحہ پڑھ کر باہر آئے اور کچھ دیر باغ میں سستا کر باہر نکل آئے۔ وہاں سے تھوڑا سا پیدل چل کر نور جہاں کے مقبرے پر گئے۔ راستے میں پہلے ہمیں بھینسوں کے ایک "اوپن ایئر" باڑے سے گزرنا پڑا۔ چند کتے بھی ہماری طرف لپکے لیکن پردیسی سمجھ کر رحم کیا۔ آخر ریل کی پٹری پار کی تو سامنے ایک دیوار نظر آئی۔ ہم سب نے جیسے ہی وہ دیوار پھلانگی تو سامنے ہی خوب صورت پھولوں کے درمیان مقبرۂ نور جہاں نظر آیا۔ وہاں کچھ دیر تک سیر کی اور پھر وہی دیوار، پٹڑی، کتوں اور بھینسوں والا راستہ طے کر کے بس اسٹاپ پر پہنچے اور بس میں بیٹھ کر لاہور کے چڑیا گھر پہنچے۔ یہ چڑیا گھر واپڈا ہاؤس سے ذرا سا آگے اور پنجاب آرٹس کونسل کے پیچھے ہے۔

ہم سب نے ٹکٹ لیے جو نہایت خوب صورت تھے۔ ہر ٹکٹ پر کسی جنگلی جانور کی رنگین تصویر اور اس کے بارے میں اردو میں تفصیل درج تھی۔ اندر داخل ہوتے تو بڑا رش دیکھا۔ لاہور کا چڑیا گھر بہت خوب صورت طرز پر بنا ہوا ہے۔ جانوروں کی رہائش گاہیں اس قدر خوب صورت بنی ہوئی ہیں کہ دُور سے دیکھنے پر کوئی سرکاری بنگلہ نظر آتی ہیں۔ ہر جانور کے لیے پنجرے میں اس کی فطرت اور پسند کے مطابق ماحول تیار کیا گیا تھا۔ یہاں ہمیں چند ایسے جانور نظر آتے جو ہم نے کراچی کے چڑیا گھر میں نہ دیکھے تھے۔ جن میں خاص طور پر دو کوہان والا اونٹ، بن مانس (چمپنزی بندر) اور دریائی گھوڑا یا بھینسا قابلِ ذکر ہیں۔

چڑیا گھر سے واپسی میں بس کے بجائے پیدل آنا مناسب خیال کیا اور شارعِ قائدِ اعظم کا خوب صورت علاقہ گھومتے ہوئے آتے۔ راستے میں ہم نے عظیم پاکستانی ادارے فیروز سنز لمیٹڈ کا شوروم بھی دیکھا، جس میں ہزاروں کتابیں برائے فروخت رکھی تھیں۔ ۲۸۔ دسمبر کے دن سب سے پہلے ہم نے لاہور کا عجائب گھر دیکھا۔ لاہور کا عجائب گھر بے مثال ہے۔ عجائبات اتنی تعداد میں ہیں کہ گھومتے گھومتے ٹانگیں شل ہو جائیں، لیکن ختم نہیں ہوں۔ باہر سے یہ ایک تاریخی عمارت لگتا ہے لیکن اندر سے بالکل جدید طرز پر بنا ہوا ہے۔ کیمرے کا استعمال ممنوع ہے چناں چہ ٹکٹ لیتے وقت کیمرا ہم سے وہیں رکھوا لیا گیا تھا۔ میوزیم میں یوں تو ہزاروں چیزیں تھیں، لیکن قابلِ ذکر ہندوستان کے نوادر، پتھر کے زمانے کے اوزار، استاد اللہ بخش کی پینٹنگز

محمد اسلم
اعجاز محمد
امیرالدین
عبیداللہ کیھر
ناصر باغ لاہور
میں۔

اور تحریکِ پاکستان کے عروج کے وقت کے اخبارات تھے۔ میں وہاں تقریباً دو گھنٹے تک گھومتا رہا۔ ایک حصے میں ملکہ وکٹوریہ کا تانبے کا بہت بڑا مجسمہ بھی رکھا تھا، جسے لاہور کے ایک چوک سے اُکھاڑ کر یہاں رکھا گیا ہے۔ اس کی جگہ وہاں پہ ایک قرآن مجید جس پر سونے کے حرفوں میں آیتِ کریمہ درج ہے رکھا گیا ہے۔

عجائب گھر سے واپس آکر شالامار باغ کا ارادہ کیا۔ چناں چہ ایک بس میں بیٹھ کر پہلے لاہور ریلوے اسٹیشن کے پاس اُترے اور وہاں سے دوسری بس میں بیٹھے۔ کافی دیر کے سفر کے بعد شالامار باغ کا اسٹاپ آیا۔ اس سفر میں بھانت بھانت کے لوگوں سے واسطہ پڑا اور چند ایسی چیزیں دیکھیں جو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی تھیں۔ ایک سنیما نظر آیا جس پر نیون سائن میں انگوروں کے گچھے کا ماڈل بنا ہوا تھا۔ سینما کا نام تھا "انگوری سنما"۔ شالامار باغ میں پاکستانیوں کے ساتھ ساتھ غیرملکیوں کی بھی بھیڑ نظر آئی۔ شالامار باغ بھی نہایت خوب صورت تھا۔ جب اس کے حوضوں میں فوّارے چلتے ہیں تو نہایت دل فریب سماں پیدا ہوتا ہے۔ چند گھنٹے سیر کرنے کے بعد وہاں سے واپسی ہوئی۔

لاہور میں مجھے مسجدیں بہت کم نظر آئیں اس لیے کافی نمازیں قضا ہو جاتی تھیں۔ یہاں کالج بہت نظر آئے، کیوں کہ لاہور تو "کالجوں کا شہر" ہے۔ "مسجدوں کا شہر" تو ڈھاکا ہے جو ہم سے بچھڑ چکا ہے۔

۲۹۔ دسمبر کو زیادہ تر آرام کیا۔ شام کے وقت انار کلی بازار کی سیر کی جو ہمیں اپنے کراچی کے لوہری بازار کے مشابہ نظر آیا۔ وہاں مشہور طبی ادارے ہمدرد کا خوب صورت

شوروم نظر آیا۔ ہمدرد سچی خدمتِ خلق میں دن رات معروف ہے۔ وہاں سے میں نے چند کتابیں خریدیں۔ چند دوستوں نے گل دان اور چھوٹے بہن بھائیوں کے لیے لاہور کے تحفے کے طور پر چند کھلونے خریدے اور ہم واپس آ گئے۔

۳۰۔ دسمبر کے روز مَیں اپنے تین اور دوستوں کے ساتھ بھارت اور پاکستان کے مابین سرحد دیکھنے گیا۔ یوں تو لاہور کا واہگہ بارڈر مشہور ہے، لیکن ہم ایک غیر معروف جگہ گئے۔ یہ ایک گاؤں "گھونڈی" کے قریب ہے۔ اور گاؤں کی نسبت سے "گھونڈی بارڈر" کہلاتا ہے۔ دو بسیں تبدیل کرنے کے بعد وہاں پہنچے۔ راستے میں ہم نے مشہور نہر "بی آر بی" بھی دیکھی جہاں ۶۵ء کی جنگ میں پاکستانی جیالوں نے شجاعت اور بہادری کے وہ کارنامے دکھائے جو تاریخ کے اوراق پر سنہری حرفوں میں لکھے جانے کے لائق ہیں۔ نہر کو دیکھتے ہی ۶۵ء کی جنگ سے متعلق پڑھے ہوئے واقعات آنکھوں میں پھر گئے اور دل و دماغ میں ایک عجیب قسم کا جوش و خروش پیدا ہو گیا۔

"گھونڈی" اُتر کر ہم تانگے سے سرحدی چوکی تک پہنچے۔ اُس سے ذرا دُور فوجی ہیڈ کوارٹر تھا جہاں بہت سارے فوجی جوان بیٹھے تھے۔ اندر ایک کمرے میں وائرلیس سیٹ رکھا ہوا تھا۔ ہم نے سرحد گھومنے کی اجازت مانگی جو انھوں نے بہ خوشی دے دی۔ فوجی نہایت خوش اخلاق تھے اور ایک فوجی نے ہمیں تفصیلات کے ساتھ سیر کرائی۔ سرحدی چوکی کے پاس ایک سادہ سا گیٹ لگا ہوا تھا اور گیٹ سے ہماری طرف پاکستانی علاقے میں ہلالی پرچم لہرا رہا تھا اور دوسری طرف بھارتی ترنگا نصب تھا۔ جھنڈے کے پاس کھڑے پاکستانی فوجی سے سلام دعا اور مصافحہ ہوا۔ بھارتی سپاہی نے بھی گیٹ کے اُدھر سے پاکستانی علاقے میں ہاتھ ڈال کر ہم سے مصافحہ کیا۔ کچھ دیر وہاں پر کھڑے فوجیوں سے باتیں کرتے رہے۔ آخر واپسی پر لاہور اسٹیشن اور وہاں سے پیدل چلتے ہوئے اُس مشہور "شملہ پہاڑی" کے باغ میں پہنچے جہاں مشہور شاعر جناب احسان دانش مرحوم نے اپنی نوجوانی کے دِنوں میں مالی کے فرائض انجام دیے تھے۔ وہاں کچھ تصاویر بنائیں اور پھر واپس آ گئے۔

۳۱۔ دسمبر سال کا بھی آخری دن تھا اور ہماری لاہور میں سیاحت کا بھی آخری دن تھا۔ آج ہمارے اساتذہ صاحبان کا ارادہ تھا کہ تمام لڑکوں کو محکمۂ جنگلات پنجاب کے تحت بنائے گئے نئے باغ "شاداب پارک" کی سیر کرائی جائے۔

خیر ہم پہلے لاہور ریلوے اسٹیشن پہنچے اور وہاں سے ٹکٹ لے کر "ریل کار" میں بیٹھے۔ یہ صرف ایک ڈبے پر مشتمل ہوتی ہے اور مسافر اور ڈرائیور اسی میں ہوتے ہیں۔ ڈرائیور کی جگہ دونوں طرف ہوتی ہے جس کی وجہ سے واحد ریلوے لائن پر اس کا رُخ موڑنے کی ضرورت نہیں پڑتی اور جس طرف جانا ہو ڈرائیور اس طرف کی سیٹ سنبھال لیتا ہے۔ ۱۹۷۵ء

سب سے پہلے کراچی سے حیدرآباد تک بھی "ریل کار" چلا کرتی تھی، لیکن پھر بند کر دی گئی۔ بہرحال ہم ریل کار میں بیٹھ کر "گلبرگ" کے ریلوے اسٹیشن پر اترے۔ اسی پٹڑی سے پاکستان سے بھارت کی ریلیں جاتی ہیں۔ اسٹیشن کے ایک طرف کھیت تھے جن میں اُس وقت سرسوں کی فصل تیار تھی۔ سرسوں کے زرد پھول ہوا کے ساتھ لہرا لہرا کر اتنا خوب صورت سماں باندھتے کہ بس دل چاہتا یہی دیکھتے رہو۔ کھیتوں سے پیچھے کوئی گاؤں تھا جس کا اینٹوں کا بھٹہ واضح طور پر نظر آ رہا تھا۔ اور چکّی چلنے کی ٹک ٹک صاف سنائی دے رہی تھی۔ پٹڑی کے دوسری طرف شاداب پارک کا علاقہ تھا جس میں محکمۂ جنگلات کے بوئے ہوئے شیشم کے درختوں کی بھرمار تھی۔ ہم پارک کے اندر داخل ہو گئے۔

یہاں ایک چھوٹا سا چڑیا گھر بھی ہے جہاں چند خوب صورت حیوانات رکھے گئے ہیں۔ ان کے بعد نہایت خوب صورت پارک آیا۔ نہایت سرسبز گھاس تھی۔ درختوں کی چھاؤں میں اور دھوپ میں بنچیں بنی ہوئی تھیں۔ بچّوں کے لیے جھولے اور پھسلنیاں بھی بڑے خوب صورت انداز میں بنی ہوئی تھیں۔

باغ کے وسط میں ایک نہر نما گول جھیل بنی ہوئی تھی جس میں کشتیاں چل رہی تھیں۔ وہاں لڑکوں نے بہت ساری تصویریں بنائیں۔ تقریباً تین گھنٹے کی سیر کے بعد واپسی ہوئی۔ جب تک ریل کار اسٹیشن پر پہنچی تب تک ہم نے اسٹیشن کے ہوٹل سے چائے پی اور سرسوں کے کھیت میں تصویریں کھینچیں۔

یکم جنوری ۱۹۸۲ء کا دن ہماری روانگی کا دن تھا۔ اسٹیشن پر خوشی اور غم کا ایک مِلا جُلا جذبہ تھا۔ خوشی اپنے پیدا ہونے کی تھی ("جس نے لاہور نہیں دیکھا وہ پیدا ہی نہیں ہوا") اور غم اپنی جنم بھومی چھوڑنے کا تھا۔ ہمیں یہ لاہور کی ایک ہفتے کی سیاحت ساری عمر یاد آتی رہے گی۔

علامہ اقبال

محمد قیصر امام، کراچی

۱۔ علامہ محمد اقبال ۹۔ نومبر ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔

۲۔ انھوں نے ۱۸۹۵ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔

۳۔ انھوں نے ۱۸۹۹ء میں پنجاب یونی ورسٹی سے ایم۔اے کیا۔

۴۔ وہ ۱۹۰۵ء تک اورینٹل کالج لاہور میں عربی کے پروفیسر رہے۔

۵۔ ۱۹۰۵ء میں وہ لندن گئے اور قانون کی ڈگری حاصل کی۔

۶۔ ۱۹۰۸ء میں انھوں نے میونخ یونی ورسٹی سے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

۷۔ وہ ۱۹۲۶ء سے ۱۹۲۹ء تک پنجاب کی قانون ساز اسمبلی کے ممبر رہے۔

۸۔ علامہ اقبال کی نثر کی پہلی کتاب "علم الاقتصاد" اور پہلا اردو شعری مجموعہ "بانگِ درا" ہے۔

۹۔ علامہ اقبال کے آبا و اجداد نسلی اعتبار سے برہمن تھے اور عہدِ مغلیہ میں مسلمان ہو گئے تھے۔

۱۰۔ علامہ اقبال نے بہ روز جمعرات بہ تاریخ ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو وفات پائی۔

۱۱۔ فارسی زبان میں علامہ اقبال کی پہلی تصنیف کا نام "اسرارِ خودی" ہے۔

۱۲۔ علامہ اقبال دو سال کی عمر میں اپنی داہنی آنکھ کی روشنی سے محروم ہو گئے تھے۔

۱۳۔ اقبال آم شوق سے کھاتے تھے۔

۱۴۔ علامہ اقبال کا نام محمد اقبال ان کی والدہ ماجدہ نے رکھا تھا۔

۱۵۔ علامہ اقبال کے جدِ اعلا کشمیر کے علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔

۱۶۔ علامہ اقبال کی وفات پر شہر لاہور میں عام تعطیل کا اعلان کیا گیا تھا۔

۱۷۔ علامہ اقبال کے والد کا نام شیخ نور محمد تھا۔

۱۸۔ علامہ اقبال کی زندگی کی آخری کتاب "پس چہ باید کرد" شائع ہوئی۔

۱۹۔ علامہ اقبال کو لاہور کی بادشاہی مسجد کی سیڑھیوں کے نزدیک محکمہ آثارِ قدیمہ کی اجازت سے دفن کیا گیا۔

***

کوہ مری کی سیر

طاہرہ قمر سلیم، کراچی

پاکستان ایک گرم ملک ہے۔ یہاں اپریل سے گرمیوں کا موسم شروع ہو جاتا ہے اور اگست تک رہتا ہے، لیکن ہمارے ملک میں کچھ ایسی جگہیں بھی ہیں جہاں گرمی کے موسم میں بھی ٹھنڈک رہتی ہے۔ ایسی ہی ایک جگہ کوہ مری ہے۔ مری راول پنڈی سے تریسٹھ کلو میٹر کے فاصلے پر شمال مغرب میں واقع ہے۔ وہ سمندر کی سطح سے تقریباً ڈھائی ہزار کلو میٹر بلند ہے۔ بسوں اور کاروں کے ذریعہ سے آمد و رفت شروع ہونے سے پہلے لوگ راول پنڈی سے گھوڑوں پر مری جاتے تھے۔ اس میں دو دن لگتے تھے، مگر آج کل موٹروں اور بسوں کے ذریعہ سے دو گھنٹوں ہی میں یہ سفر طے ہو جاتا ہے۔ مری ریل گاڑی نہیں جاتی۔ لوگ بسوں اور کاروں کے ذریعہ سے وہاں جاتے ہیں۔ راول پنڈی سے تھوڑی ہی دور پر چڑھائی شروع ہو جاتی ہے، جو آہستہ آہستہ بڑھتی چلی جاتی ہے۔ سڑک کے دونوں طرف جھاڑیاں نظر آتی ہیں۔ زیادہ چڑھائی پر سڑک بل کھاتی ہے یہی وجہ ہے کہ سامنے سے آنے والی گاڑیاں نظر نہیں آتیں۔ موڑ پر ڈرائیور بڑی احتیاط سے آہستہ آہستہ گاڑیاں چلاتے ہیں۔ سڑک کے ایک طرف اونچا پہاڑ اور دوسری طرف گہرے کھڈ ہیں۔ یہ کھڈ اتنے گہرے ہیں کہ اُن کی طرف دیکھنے سے ڈر لگتا ہے۔ اگر ڈرائیور ہوشیار

اور تجربے کار نہ ہو تو گاڑی کے اُلٹ جانے اور کھڈ
میں گر جانے کا خطرہ رہتا ہے۔ بلندی پر پہنچ کر چاروں
طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے اور بڑے بڑے درخت
دکھائی دیتے ہیں۔ جوں جوں اوپر جائیں ٹھنڈک بڑھتی
جاتی ہے۔ یہاں پر چھوٹے اور بڑے مکانات بھی ہیں
اور بڑی بڑی کوٹھیاں بھی۔ مکان پہاڑوں کی ڈھلان
پر بنائے گئے ہیں۔ یہاں ایک بڑا بازار بھی ہے۔ پارک،
ہاسٹل اور دو بڑے ہسپتال بھی ہیں۔ دسمبر، جنوری اور
فروری کے مہینوں میں یہاں سخت سردی پڑتی ہے۔

مری بڑی سرسبز جگہ ہے۔ ہر طرف ہریالی اور لمبے لمبے
درخت ہیں۔ ان مناظر کو دیکھنے کے لیے لوگ پنڈی
پوائنٹ اور کشمیر پوائنٹ جاتے ہیں۔ دُور سے یہ
مناظر بہت اچھے اور دل کش نظر آتے ہیں۔ پہاڑوں کی
ڈھلان پر چیڑ، دیوار اور صنوبر کے درخت آسمان سے
باتیں کرتے نظر آتے ہیں۔

موسم سرما میں یہاں برف باری بھی ہوتی ہے۔
روئی کے گالوں کی طرح اُڑتی ہوئی برف سڑکوں، پودوں،
درختوں اور مکانوں کی چھتوں پر جمع ہوتی رہتی ہے۔
اُن دنوں لوگ چھتریاں اور برساتیاں استعمال کرتے
ہیں اور گرم کپڑے پہنتے ہیں۔ گرمیوں میں برف پگھلنا
شروع ہو جاتی ہے اور بارش بھی ہوتی ہے۔ قدرتی مناظر
کی خوب صورتی کی وجہ سے صرف پاکستان ہی کے نہیں دوسرے
ملکوں کے لوگ بھی سیر و تفریح کے لیے یہاں آتے
ہیں۔

کام

مرسلہ: عزیز احمد راجپوت، حیدرآباد

ہو کبھی انسان نہ بے دل کام سے
کیوں کہ ہوتا ہے وہ کامل کام سے
کام میں ہیں مہر و ماہ و ابر و باد
سج گئی دنیا کی محفل کام سے
اہلِ ہمت کا ہے خود حامی خدا
برکتیں ہوتی ہیں نازل کام سے
عزتیں محنت سے پا جاتے ہیں لوگ
مرتبے ہوتے ہیں حاصل کام سے
مرد کہلانا انھیں آساں نہیں
جی چُراتے ہیں جو مشکل کام سے
نام حاصل کر گئے دنیا میں جو
وہ ہوئے شہرت کے قابل کام سے
چست بچے شوق سے کرتے ہیں کام
اور گھبراتے ہیں کاہل کام سے
دین و دنیا سے گیا محروم وہ
ہو گیا جو شخص غافل کام سے
کیوں گنواؤ تاش اور چوسر میں وقت
کب ہیں اچھے یہ مشاغل کام سے

* *

بزمِ نونہال

* خاص طور پر ایک بادشاہ کی کہانی تو بہت اچھی تھی۔

آصف رحمانی، کراچی

* حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ خوب تھا۔ واقعی ہمیں ہر سُنی سنائی بات پر یقین نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کی تحقیق کرنی چاہیے، اس کے بعد کسی کو بتانا چاہیے۔ قسط وار کہانی چالاک خرگوش کوئی خاص نہ تھی۔ مادام ماریا کیوری کے متعلق مضمون بہت معلوماتی تھا۔

عبدالودود گوہر، کراچی

* لطائف آج کل نقل شدہ آ رہے ہیں۔

سید کاشف جمیل کاظمی، کراچی

* ولیم شیکسپئر اور مادام کیوری پر مضامین بہت اعلا تھے کہانیاں بھی اچھی تھیں۔ طاہر جاوید، طارق مجید، عاصم نوید، محمد ندیم، عمران نثار، فرح ناز، کراچی

* نونہال کی پرانی قاری ہوں اور مجھے یہ بہت پسند ہے۔

راحیلہ نرگس، کراچی

* سب کہانیاں بہترین تھیں۔ بشیر احمد قادری، پنڈی گھیب

* خاص طور پر چالاک خرگوش والی کہانی بہت پسند آئی۔ نونہال میں کہانیاں بہت کم ہوتی ہیں۔ براہِ مہربانی اس میں کہانیاں زیادہ دیا کریں۔ فرزانہ، لالہ موسیٰ

* کہانیوں میں چالاک خرگوش اور نیا ملازم اچھی کہانیاں تھیں۔ نونہال ادیب میں اس دفعہ نہایت اچھی کہانیاں اور نظمیں شائع ہوئی ہیں۔ ایک خاص بات یہ کہ نونہال ادیب میں صفحہ نمبر ۹۵ پر سمیرا عالم بھٹی نے ایک نظم "سچ" اردو کی پانچویں کتاب سے نقل کر کے بھیجی ہے۔ یہ اسمٰعیل میرٹھی صاحب کی لکھی ہوئی نظم ہے۔

فیصل مجید اعوان، اسلام آباد

سمیرا عالم بھٹی کی جرات نے ایک سال کے لیے ان کا نام کٹوا دیا۔

* میں نے جنوری کا نیا رسالہ خریدا تو مجھے اس کے ساتھ ایک آٹوگراف بک بھی ملی۔ جس کو میں پا کر اتنا خوش ہوا کہ بیان نہیں کر سکتا ہوں۔ جاگو جگاؤ، پہلی بات اور خاص طور پر کوپن علمی تحفہ مجھے پسند آیا۔ اس کے علاوہ مجھے تحفے، چالاک خرگوش اور نونہال ادیب بہت پسند آئے۔ میں نے ان چار سالوں میں تمام رسالوں سے نونہال کو بہتر پایا۔ ایم طارق خان جدون، کراچی

* میں پہلی جماعت سے نونہال پڑھتی آ رہی ہوں اور اب آٹھویں میں ہوں۔ میں نے اپنی کافی دوستوں کو نونہال پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔ اب تو میری دوستیں بھی نونہال شوق سے پڑھتی ہیں۔ حکیم محمد سعید صاحب جاگو جگاؤ بہت اچھا لکھتے ہیں۔ اس سے ہم نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ دو بھرے (نظم) بہت پسند آئی۔ نیا ملازم اور پک نک بھی خوب تھیں۔ ناز و درود، ٹھٹھہ

* چالاک خرگوش پسند آئی۔ نظموں میں دو بھرے بہت ہی پسند آئی۔ اگر میں پاکستان اسٹیل کے متعلق کچھ معلومات بھیجوں تو کیا وہ شائع ہو جائیں گی۔ ذرا لفظ "سرزنش" کے معنی اور صحیح تلفظ بتا دیں۔ مہربانی ہوگی۔ محمد اظفر ساجد، کراچی

پاکستان اسٹیل کے متعلق اچھی اور صحیح معلومات ضرور شائع کی جائیں گی۔ سَرزَنِش کے معنی سزا کے ہیں۔

* آٹوگراف بک بے حد خوب صورت ہے۔ آپ یہ دُعا دیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نونہال میں لکھے ہوئے اصولوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ محمد شفقت عمران خان، حیدر آباد

* ہمیشہ کی طرح جاگو جگاؤ بہت اچھا تھا۔ کہانیوں میں پک نک، ایک بادشاہ کی کہانی اور فارسی حکایات پسند آئیں۔ گھریلو ملازمہ نے انعام پایا پسند آیا۔ فرح ناز، کراچی

* تمام کہانیاں، مضامین اور لطیفے اچھے تھے۔ جاگو جگاؤ اور پک نک رسالے کی جان تھے محمد ظفر اللہ گوندل، ملتان

* نونہال کی بے شمار خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس کے مختلف مضامین میں کوئی بات اس طرح سے سمجھائی جاتی ہے گویا آمنے سامنے بیٹھے ہوں۔ اس کی ایک مثال مسعود احمد برکاتی صاحب کے مضمون "ایک طالب علم ایک استاد" سے جھلکتی ہے۔ واقعی آپ کا خیال بالکل درست ہے کہ جہالت کی کمی سے ہم کو اور ہمارے وطنِ عزیز کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر ہم طالب علم کم از کم ایک ناخواندہ کو ہی پڑھائیں تو بڑی حد تک مسئلہ خواندگی دُور کیا جاسکتا ہے۔ "تحفے" اس مرتبہ بھی حسبِ معمول شان دار تھا۔ میں شمیم عبداللہ کی رائے سے قطعاً اتفاق نہیں کرتی کہ لطیفوں کا سلسلہ ختم کردیا جائے، کیوں کہ میرے خیال کے مطابق نونہال سچی کہانیوں کی نسبت لطیفے زیادہ دل چسپی سے پڑھتے ہیں۔ ویسے بھی بہ قول مدیر صاحب کے کہ "سچی کہانیاں کون لکھے گا۔

ناظمہ ادم، ملیر

* ہمیشہ کی طرح حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ شان دار تھا۔ کہانیاں بھی اچھی تھیں۔ آپ نے جو "کوپن علمی تحفہ" کا سلسلہ شروع کیا ہے اگر کسی نونہال کو ان کتابوں میں سے ایک سے زیادہ کتابیں پسند ہوں تو پھر کیا کریں یا پھر پورے بارہ کوپنوں میں ایک کتاب کا نام لکھ کر بھیجیں؟

محمد اسلم یامین، لانڈھی

جی ہاں، بارہ کوپنوں کے بھیجنے پر صرف ایک کتاب کا تحفہ مل سکتا ہے، دوسری کتابیں خریدی جاسکتی ہیں، جو بارہ کوپن ملنے کے بعد رعایتی قیمت پر ملیں گی۔

* حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ بہت اچھا تھا اور سلسلے وار کہانی چالاک خرگوش بہت دل چسپ ہوتی جارہی ہے۔

مختیار احمد انجم ٹوبہ ٹیک سنگھ والا

* جاگو جگاؤ رسالے کی زینت ہے۔ تمام کا تمام رسالہ بے حد پسند آیا۔ پاکستان میں یہ ایک منفرد رسالہ ہے۔ زمانے کے لحاظ سے اس میں وہ کچھ موجود ہے جو ایک اچھے اور معیاری رسالے میں ہونا چاہیے۔ ہمارا رسالہ پاکستان کے کونے کونے میں بچے، بڑے، بوڑھے، جوان بڑے شوق اور لگن کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

محبوب عالم شاہ پھلالہ، ہارون آباد

* سرورق نہایت عمدہ تھا۔ حسبِ معمول نونہال کی جان "جاگو جگاؤ" کو سب سے پہلے پڑھا۔ محترم حکیم صاحب نے نہایت ہی دقیق اور اہم مسئلے کی طرف نشان دہی کی ہے۔ آپ کی "پہلی بات" کے بعد دو بہرے سے ملاقات ہوئی اور یہ ملاقات محترم شان الحق حقی صاحب نے کرائی جو نہایت عمدہ رہی۔ باقی نظمیں بھی خوب رہیں۔ جناب شہاب الدین انصاری کا مضمون "گھریلو ملازمہ نے نوبیل انعام پایا" نہایت عمدہ تھا۔ محترمہ ڈاکٹر صفیہ سید کا معلوماتی مضمون "ہمارا جسم کیسے بڑھتا ہے" پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔ کرشن چندر کا "چالاک خرگوش" بہتر رہا۔ کہانیوں میں سرفہرست معراج صاحب کی کہانی "پک نک" رہی۔ ہاکی اور کرکٹ کے مضمونوں کا حسین امتزاج پسند آیا۔ جناب مسعود احمد برکاتی کا مضمون "ایک طالب علم، ایک استاد" پڑھ کر پکا ارادہ کیا کہ ان شاء اللہ ایک اَن پڑھ کو ضرور تعلیم کی نعمت دیں گے۔ ولیم شیکسپئر کی ڈرامے نما کہانی نے اتنا متاثر نہ کیا کہ جتنا اس کی حالاتِ زندگی پڑھ کر ہوئے۔ تحفے حسبِ معمول عمدہ رہے۔ لطیفے ایک دو کے علاوہ سب بور تھے۔

سید عبدالعزیز عزمی، کراچی

* میں نے سوچا کہ کون انتظار کرے لہٰذا میں نے اپنے جیب خرچ میں سے بچائے ہوئے پیسوں میں سے اس مرتبہ پورے بارہ ہمدرد نونہال خرید لیے ہیں۔ کوپن پھاڑ کر باقی رسالے اپنے ہم جماعتوں میں بانٹ دیے اور کوپن ۱۲ عدد آپ کو ارسال کررہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ مجھے جلد کتاب "غذائیں دوائیں" ارسال فرمائیں گے۔ میں اپنی چھوٹی سی لائبریری میں کتاب غذائیں دوائیں کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔

عبدالعلیم حیدر، ایئرپورٹ کراچی

بھئی واہ وا، شاباش، شاباش، تم نے کتاب بھی حاصل کی اور رسالہ بانٹ کر علم کا اُجالا پھیلایا، گویا چپڑی اور دو دو۔

* جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح خوب صورت تھا اور نظموں میں دو بہرے، میرا کمرا اور کہانیوں میں پک نک، نیا ملازم اور چالاک خرگوش بے حد پسند آئی اور خاص طور پر ولیم شیکسپیئر پر مضمون اور کہانی ایک بادشاہ کی بے حد پسند آئی۔ ساجد علی ساجد کی پاکستان اور نیوزی لینڈ کی کرکٹ سیریز کی کہانی بھی پسند آئی۔ آپ کوئی نئی جاسوسی کہانی بھی چھاپ دیا کریں تو نوازش ہوگی۔

محمد یوسف، حیدر آباد

* فروری کا ٹائیٹل بہت اچھا ہے۔ تحفے اور ایک طالب علم ایک استاد بہت اچھے تھے۔ ولیم شیکسپیئر کی کہانی ایک بادشاہ کی بھی بہت پسند آئی۔ حقی صاحب کی نظم "دو بہرے" پڑھ کر تو مزہ آگیا۔

فوزیہ ناز، کراچی

* خاص طور پر "دو بہرے"، "پک نک"، "کرکٹ سیریز کی کہانی" اور "ولیم شیکسپیئر کے حالاتِ زندگی" بہت عمدہ تھے۔ کرکٹ کی کہانی دے کر آپ نے ہماری دلی خواہش پوری کر دی اور "پک نک" تمام بچوں کے لیے بہت ہی سبق آموز کہانی تھی۔ یقین کیجیے کہ اس کہانی نے کسی کی نہیں تو میری زندگی میں تو ضرور ہی بھونچال مچا دیا ہے۔ میں ساتویں کلاس میں پڑھتا ہوں اور میں اسکول سے آنے کے بعد پہلے کرکٹ کھیلنے چلا جاتا تھا اور شام کو پھر ٹی وی کے سامنے نو بج جاتے تھے اور پھر میں پڑھتا تھا، مگر کلاس میں کبھی نکما نہیں ہوں۔ دوسری یا تیسری پوزیشن ہی آتی ہے، مگر مجھ میں کل پر کام چھوڑنے کی بہت عادت تھی۔ رات کو یہ سوچ کر بوٹ پالش نہیں کرتا تھا کہ صبح صبح اُٹھ کر بوٹ پالش کر لوں گا اور صبح دیر ہو جاتی اور بوٹ ویسے ہی پہن کر چلا جاتا تھا مگر اب یہ کچھ بھی نہیں رہا۔ میں خود بھی اپنے آپ پر حیران ہوں کہ مجھ میں اتنی تبدیلی کیسے آگئی۔ مجھے اُس لڑکے کا انجام دیکھ کر خیال آیا کہ اگر میرے ساتھ بھی ایسا ہو تو پھر...... بس اُس "پھر" نے میری زندگی کی کایا پلٹ دی۔ پہلے ابّو مجھے ان عادتوں پر ڈانٹتے تھے، مگر اب وہ مجھ سے اتنے خوش ہیں کہ انھوں نے مجھے انعام کے طور پر ایک گھڑی دی ہے۔ اب میں کرکٹ بھی صرف ایک گھنٹہ کھیلتا ہوں اور رات کے ۹ بجے سے پہلے میرے بوٹ پالش ہوتے ہیں۔ ہوم ورک بھی مکمل ہوتا ہے۔ میں صبح اُٹھ کر فجر کی نماز بھی پڑھنے لگ گیا ہوں۔ پڑھائی بھی دل لگا کر کرتا ہوں۔ میں سوچتا ہوں کہ پک نک تو صرف آج کا کام کل پر مت چھوڑو کے متعلق کہانی تھی مگر مجھ میں اتنی تبدیلیاں کیسے آگئیں۔ میں ساری زندگی نونہال کے فروری کے شمارے کو نہیں بھلا سکتا جس نے مجھے اتنا کچھ دے دیا۔

ذیشان حمید خان، بہادل نگر

> خدا کرے ہم سب کی عادتیں اچھی ہو جائیں۔ عادتوں کا ہی دوسرا نام کردار ہے۔

* نظموں میں "دو بہرے"، "میرا کمرا"، "متوالی چڑیا" تینوں بہت اچھی تھیں۔ کہانیوں میں "چالاک خرگوش، نیا ملازم، پک نک"، بہت ہی مزے کی کہانیاں تھیں۔ نوبیل انعام یافتہ ماریا کیوری کے حالاتِ زندگی پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔ ڈاکٹر صفیہ سید کا مضمون "ہمارا جسم کیسے بڑھتا ہے" پڑھ کر ایسی باتوں کا علم ہوا جن کا ہمیں کچھ علم نہ تھا۔ اخبارِ نونہال کی تمام خبریں دل چسپ تھیں۔ جناب ساجد علی ساجد کی "کرکٹ سیریز کی کہانی" بہت معلوماتی تھی۔ تحفے کا سلسلہ آج کل اپنے عروج پر ہے۔ جناب مسعود احمد برکاتی کا "ایک طالب علم ایک استاد" بہت ہی اچھا مضمون تھا پڑھ کر ایک نیا جذبہ بیدار ہوا۔ اس بار لطیفے زیادہ اچھے نہیں تھے۔ اس بار کارٹون بہت مزے دار تھا۔

تسنیم جعفری، لاڑکانہ

* ہمدرد نونہال میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ فروری ۸۵ء کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ مجھے بہت دُکھ ہوا کہ نونہال ادیب میں "شیرزادہ جیکس، کراچی" کی نظم "اخلاق" اردو کی چھٹی کتاب میں سے نقل کی گئی ہے۔

مزمل امیر علی، کراچی

> شیرزادہ جیکس! اردو کی چھٹی کتاب تو ہر طالب علم پڑھتا ہے۔ تم نے ایک سال کے لیے اپنا نقصان کیا۔

* نونہال اتنا اچھا ہوتا ہے کہ ہم پورا پڑھ کر ہی دم لیتے ہیں۔ آپ سال میں ایک مرتبہ خاص نمبر نکالتے ہیں، جب کہ دوسرے رسالوں کے ایک سال میں کئی دفعہ خاص نمبر نکل آتے ہیں۔

فضیلت رخسانہ، کراچی

* جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ بہت پسند آیا۔ کہانیوں میں سلسلے وار کہانی چالاک خرگوش، نیا ملازم، پک نک، مسکراتے رہو، بہت پسند آئیں۔

محمد شفیق محمد شیر، جھڈو

* آپ یقین کیجیے مجھے اس ماہ بھی اپنے خطوں کے جواب کا انتظار تھا کہ آپ میرا کچھ نہ کچھ ضرور شائع کریں گے، لیکن آپ ردّی کی ٹوکری میں پھینک دیتے ہیں، لیکن آپ یہ نہ سمجھیے کہ میں نونہال لینا چھوڑ دوں گا بلکہ میں نے تو اپنے دو اور دوستوں کو پڑھنے اور لینے کے لیے کہا ہے اور انھوں نے اس ماہ سے لینا شروع کیا ہے۔ میں نے ان سے کہا ہے کہ نونہال کے برابر کوئی رسالہ نہیں ہو سکتا۔

اس میں کہانیاں ہیں، نظمیں ہیں، خیال کے پھول ہیں، طب کی روشنی ہے، کھیلوں کا سلسلہ ہے، اخبار نونہال ہے، صحت مند نونہال ہے، نونہال مصور ہے، ہمدرد انسائکلوپیڈیا ہے، تحفے ہیں، معلومات عامہ ہے، مسکراتے رہو ہے، نونہال ادیب ہے اور بزم نونہال ہے۔ اس میں کیا کچھ نہیں ہے اور قیمت صرف ۴ روپے۔ اس ماہ میں ۴ روپے خرچ کرنا کون سی بات ہے۔

عبدالقیوم، قاضی احمد

* میرا پسندیدہ رسالہ نونہال ہے۔ رضوانہ اقبال، حیدر آباد

* فروری کا نونہال بہت پسند آیا۔ خاص طور پر کہانی ایک بادشاہ کی" اور مادام ماریا کیوری کی داستان بہت پسند آئی۔ مہربانی کر کے مجھے لفظ رُو بہ تنزل کے معنی بتا دیجیے۔

بہادر شیر، ہری پور ہزارہ

> "رُو بہ تنزل" کا مطلب یہ ہے کہ زوال کی طرف۔ جب کوئی شخص یا چیز ترقی کرنے کے بجائے پیچھے جا رہی ہو تو کہتے ہیں کہ وہ رُو بہ تنزل ہے۔

* ماہ فروری کی ساری کہانیاں قابلِ ذکر تھیں، جاگو جگاؤ نے بہت متاثر کیا۔

غوثیہ قاسم، کراچی

* سب سے پہلے حکیم سعید صاحب کا جاگو جگاؤ پڑھا بہت پسند آیا۔ اس کے بعد برکاتی صاحب سے مل کر باتیں کیں۔ ابھی باتیں ختم کی ہی تھیں کہ شان الحق حقی صاحب کی نظم "دو بہرے" نے ہمیں اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ خدا کرے حقی صاحب ہمیشہ یونہی مزاحیہ نظمیں لکھ کر نونہالوں کو محظوظ کرتے رہیں۔ "گھریلو ملازمہ" بھی بہت اچھی تحریر تھی۔ وحیدہ نسیم صاحبہ کی نظم "میراکمرا" پڑھ کر بہت لطف اندوز ہوئی۔

نجمہ ثروت انصاری، ژوب

* تقریباً ہر چیز اپنی جگہ پر بہترین تھی۔ چالاک خرگوش کے ساتھ بہت زیادتی ہوئی۔ دیکھیں اب خرگوش میاں کیا اقدام کرتے ہیں۔ نیا ملازم نصیحت آموز تھی۔ شیکسپیئر کے متعلق مزید جاننے کا موقع ملا۔ دو بہرے اور میراکمرا بہترین نظمیں تھیں۔ کوپن علمی تحفہ جمع کرتے جا رہے ہیں۔

سعید الرحمٰن، ملتان

* میں نے پہلی دفعہ نونہال پڑھا تو مجھے محسوس ہوا کہ یہ بہت ہی بہترین رسالہ ہے۔ کیا میں ایک کہانی اپنی درسی کتاب سے لکھ کر بھیج سکتا ہوں؟

محمد یوسف، ذوالفقار علی، سکرنڈ

> میاں، کہانی کو کیوں تکلیف دیتے ہو اسے کتاب میں ہی رہنے دو، لوگ اسی میں پڑھ لیتے ہیں۔

* آپ یہ بتائیں کہ ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کی کتابیں منگوانے کا پتا کیا ہے؟

جمیل احمد، ڈیرہ اسماعیل خاں

> جمیل میاں، تم نے اپنا پتا کیوں نہیں لکھا۔ خیر، کتابیں منگوانے کا بھی یہی پتا ہے یعنی ہمدرد فاؤنڈیشن، ناظم آباد، کراچی ۱۸

* میں پورے سوا سال بعد نونہال کی محفل میں شرکت کر رہا ہوں۔ جو چیزیں قابلِ اشاعت نہ ہوں ان کے بارے میں بزم نونہال میں مزید لکھیے گا۔ مارچ ۸۵ء کا نونہال لاجواب تھا۔ کہانیوں میں اناڑی معالج اور جوتے کا کمال بہت پسند آئیں۔ چالاک خرگوش تو ہمارے سارے بھائی اور گھر والے بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ میرے پاس جنوری ۸۵ء کے دو نونہال ہو گئے ہیں۔ کیا میں دونوں شماروں کے تعلیمی تحفے کے کوپن استعمال کر سکتا ہوں؟ نونہال ادیب میں نواب شاہ کے محمد عارف طاہر قریشی کی نظم "پاک سرزمین" اردو کی پانچویں کتاب سے نقل شدہ۔ شاعر کا نام یہ بھی گول کر گئے اور آخری شعر کے دوسرے مصرعے میں اللہ کی جگہ مولا لکھ کر نظم بھیج دی۔

نوید الحق انصاری، کراچی

> کچھ نہ کچھ چھپ ہی جائے گا، صبر کا پھل کڑوا نہیں ہوتا جی ہاں، چاہے کسی ایک مہینے کے ہی بارہ کوپن ہوں، کتاب مل جائے گی۔ محمد، عارف اور طاہر، تینوں ہی لفظ کیسے پیارے ہیں۔ ان کا خیال کر کے ہی آیندہ ایسا نہ کرنا۔

* میں نونہال کا مطالعہ بڑی باقاعدگی سے کرتی ہوں اور اس کا ہر مضمون بڑے شوق سے پڑھتی ہوں۔ بلاشبہ نونہال ایک عظیم رسالہ ہے جس سے نونہالوں کے ذہن روشن ہو رہے ہیں۔

ناہید پروین، کراچی

* نونہال میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ چالاک خرگوش سب سے زیادہ اچھی کہانی تھی۔ اس کے علاوہ دوسری کہانیاں، لطیفے، تحفے، جاگو جگاؤ بہت اچھے تھے۔

سعید الرحمٰن، حسن ابدال

* کہانیوں میں "نیا ملازم"، "پک نک" اور "ولیم شیکسپیر" بہت پسند آئیں "چالاک خرگوش" بھی اچھی تھی۔ "گھریلو ملازمہ نے نوبیل انعام پایا" قابلِ تعریف تھی۔ "دو بہرے" نے تو بہت ہنسایا۔ "میرا کمرا" بھی عمدہ تھی۔ اور حکیم محمد سعید کا "جاگو جگاؤ" اور "طب کی روشنی میں" تو ہمیشہ ہی پسند کیے جاتے ہیں۔ کیا بارہ کوپن والا انعام صرف سالانہ خریدار حاصل کر سکتے ہیں یا جو بھی کوپن اکٹھے کرے گا اسی کو ملے گا۔

کامران بلوچ، اوکاڑہ

> جو بھی بارہ کوپن جمع کر کے بھیجے گا، اس کو کتاب ملے گی۔

* مجھے پورے رسالے میں جو چیز سب سے زیادہ متاثر کرتی ہے وہ محترم حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ اور آپ کی تحریریں جو وقتاً فوقتاً میرے خوابیدہ ذہن کو جِلا بخشتی ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ یقین نہ کریں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں آپ کی تحریریں اور آپ کے جوابات جو کہ مزاح اور شائستگی سے بھرپور ہوتے ہیں کئی دفعہ پڑھتی ہوں۔ آپ کے لکھنے کا انداز بہت شائستہ ہوتا ہے بات سمجھانے کا آپ کا انداز بہت پیارا ہوتا ہے۔ میری خدا تعالیٰ سے دُعا ہے کہ آپ کا سایہ ہمارے سر پر سدا قائم رکھے اور آپ کے قلم کو دوام بخشے۔

شبانہ پروین، کراچی

* میں آپ سے سخت ناراض ہوں۔ میں آپ کو یہ تیسرا خط لکھ رہی ہوں، لیکن آپ نے ابھی تک میرا ایک خط بھی نہیں چھاپا۔ میں نے آپ کو ایک نظم "نونہال" بھیجی وہ بھی آپ نے نہیں چھاپی۔ چلیں اگر ناقابلِ اشاعت تھی تو بتا دیتے میں کوئی اور کوشش کرتی۔ میں نے تحفے کے لیے کوشش کی وہ بھی نہ چھپ سکا۔ میں نے آپ کو لطیفے بھیجے وہ بھی آپ نے نہیں چھاپے۔ میں سوچتی ہوں آخر مجھ سے کیا گناہ ہو گیا جو آپ نے میرا خط نہیں چھاپا۔

غزالہ ساجد، کراچی

> بیٹی، ناراض نہ ہو، لو تمھارا خط چھپ گیا۔ کوشش کیے جاؤ۔

* فروری کا سرورق عمدہ تھا۔ حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ، جناب شان الحق حقی کی مزاحیہ نظم "دو بہرے"، جناب معراج کی کہانی "پک نک"، اور لطیفے بہت پسند آئے۔ نونہال ایک بے مثال رسالہ ہے جو ادب کی اور بچوں کی بہترین خدمت کر رہا ہے۔ نونہال میں وہ سب کچھ موجود ہے جو کہ بچوں کے لیے دلچسپی کا باعث بنے۔ نہ صرف یہ کہ بچے بلکہ بڑے بھی اسے پڑھ کر داد و تحسین سے نوازتے ہیں۔ خدا کرے کہ نونہال اور نونہال کی خدمت کرنے والوں کے نام ادب کے آسمان پر مہتاب بن کر دمکیں۔

سید وجاہت علی، شہداد پور

* نئے سال کا تحفہ یعنی آٹوگراف بک پا کر دلی مسرت ہوئی۔ اس لیے آپ کا بہت بہت شکریہ اور نیا سال بھی مبارک ہو۔ نومبر کے شمارے میں معلوماتِ عامہ نمبر ۲۲۱ کے جو جوابات شائع ہوئے ان کے ۱۶ تا ۲۵ صحیح جوابات میں ناموں کی جو فہرست شائع ہوئی تھی اس میں میرے ۲۳ جوابات بالکل ٹھیک تھے۔ اس فہرست میں ایک نام شائستہ عنبرین شائع ہوا تھا آپ مجھے صرف یہ بتا دیں کہ کہیں غلطی سے عائشہ عنبرین کی جگہ شائستہ عنبرین تو نہیں چھپ گیا۔

عائشہ عنبرین، کراچی

> ہاں بھئی غلطی سے تمھارا نام عائشہ عنبرین کے بجائے شائستہ عنبرین چھپ گیا تھا۔ افسوس۔

* نونہال مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ اس مرتبہ تمام کہانیاں اپنی مثال آپ تھیں، خاص طور پر کہانیاں نیا ملازم اور پک نک اور نظمیں میرا کمرا اور دو بہرے۔ عدیلہ اختر صاحبہ کی نظم میری گڑیا ایک اخبار کے بچوں کے صفحے سے نقل شدہ ہے۔

زیب النساء صدیقی، لودھراں

> عدیلہ اختر، کیا "نیک نامی" تمھیں اچھی لگی۔

* فروری میں صفحہ ۸۲ پر ساجد علی ساجد نے لکھا ہے کہ پانچویں چیمپین ٹرافی پاکستان نے جیتی، حال آنکہ یہ ٹرافی آسٹریلیا نے جیتی تھی۔

سعید احمد سعید، دھنوٹ۔ شاہد محمود، کراچی۔ سلمان، شیخ اے صمد، حیدر آباد۔

> شکریہ آپ نے صحیح لکھا ہے۔ اس مضمون میں غلطی سے آسٹریلیا کے بجائے پاکستان لکھا گیا۔ تمام نونہال اس کو درست کریں۔

* مجھے نونہال بہت پسند ہے۔

سعدیہ صدیقی، کراچی

* آپ براہ مہربانی میرا نام پتا اور فوٹو اپنے رسالے میں شائع کر دیجیے۔ میں اپنے ہم عمر پاکستانی بھائیوں سے خط و کتابت

کے ذریعے سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔ محمد فاروق، برطانیہ

* فروری کا نونہال بہت پسند آیا۔ خاص طور پر جناب حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ اور مسعود احمد برکاتی صاحب کی پہلی بات سب سے زیادہ پسند آئیں۔ گھریلو ملازمہ نے نوبیل انعام پایا۔ علی اسد صاحب کی کہانی نیا ملازم اور معراج صاحب کی پک نک، پاکستان اور نیوزی لینڈ کے درمیان کھیلی جانے والی کرکٹ سیریز کی کہانی (ساجد علی ساجد) بہت پسند آئیں۔ نظموں میں دو ہرے اور میرا کمرا (وحیدہ نسیم) بہت پسند آئیں۔ محمد صدیق سومرو، سرفراز احمد بھنگر، وحید احمد میمن، امداد علی شاہ، جیکب آباد

* فروری کا دل کش شمارہ نظروں سے گزرا۔ جاگو جگاؤ پڑھ کر معلوم ہوا کہ افواہوں کے خلاف ایک حد تک جستجو سے کام لینا چاہیے۔ نظم دو ہرے چٹپٹی تھی۔ مضمون یورپ کی سب سے بڑی مسجد اور گھریلو ملازمہ نے نوبیل انعام پایا اور ولیم شیکسپیئر ہمارے لیے معلوماتی ثابت ہوئے۔ کہانیوں میں چالاک خرگوش اور کہانی بادشاہ کی پسند آئیں۔ نونہال ادیب میں لودھراں کے سعید احمد کا مضمون "مصنوعی سیارے" پنجاب ٹیکسٹ بک کی اردو کی کتاب سے نقل شدہ تھا۔ محمد علی، سکھر

سعید احمد! مجھے یقین نہیں آ رہا۔

* آپ تو حوصلہ بڑھاتے ہیں ہر نونہال کا۔ پھر میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں۔ میں نے آپ کو نونہال ادیب میں اپنی کہانی یعنی جو واقعہ خود میرے ساتھ پیش آیا تھا اُسے میں کہانی کی صورت میں بھیجنا چاہتی تھی، مگر آپ نے جواب ہی نہیں دیا، حالانکہ میں تو ہر بات کا خیال رکھتی ہوں۔ آپ تو وہ تحریریں ڈاک سے واپس بھیج دیتے ہیں جو قابلِ اشاعت نہیں ہوتی ہیں نے تو ایسی کوئی تحریر آپ کو نہیں بھیجی پھر آپ نے میری وہ تمام چیزیں کیوں شائع نہیں کیں۔ میری کسی بھی تحریر کو نونہال میں شائع ہونے کی سعادت حاصل نہیں ہوئی۔ ٹھیک ہے انکل اگر میری تحریریں اس لائق نہیں کہ نونہال کی زینت بن سکیں تو میں آیندہ کوئی بھی تحریر نہیں بھیجوں گی نونہال کے لیے۔ میں تو نونہال کی مستقل قاری بننا چاہتی تھی مگر شاید مجھ میں وہ صلاحیت وہ خوبی نہیں ہے جو کہ اور نونہالوں میں ہے جن کی بھیجی ہوئی تحریریں فوراً نونہال میں شائع ہو جاتی ہیں۔

شارقہ قمر، کراچی

نہیں بیٹی، تمھاری تحریر بھی ضرور چھپے گی۔ صلاحیت کے ساتھ محنت اور صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم مختصر سی کہانی لکھ کر بھیج دو۔ مایوس نہ ہو۔

* میں نونہال بہت شوق سے پڑھتی ہوں اور ہر دو مہینے کے بعد اس میں خط بھیجتی ہوں، لیکن میرا ایک بھی خط شائع نہیں ہوا۔

نگہت پروین، کراچی

* بے شک نونہال ایک خوب صورت اور عظیم رسالہ ہے جس میں جاگو جگاؤ اتنا سبق آموز ہوتا ہے کہ جس کو پڑھ کر ہم سب اپنی تمام برائیاں دُور کر سکتے ہیں۔ شگفتہ پروین، کراچی

* فروری میں بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ، برکاتی صاحب کی پہلی بات اور ولیم شیکسپیئر کی کہانی نے بہت متاثر کیا۔ شمشیر حیدر کوکر، لاڑکانہ

* نونہال بہت ہی اچھا رسالہ ہے اور یہ تمام رسالوں سے منفرد ہے۔ اس رسالے کو دیکھتی ہوں تو جیسے آنکھوں میں نور اُتر جاتا ہو۔ ثمینہ گل، کیماڑی

* میں نے اس کے سال کے دونوں رسالے خریدے ہیں، جتنی لوگوں سے تعریف سُنی تھی ویسی پایا۔ منیر علی، سجاول

* نونہال کا اس مہینے کا سرورق بھی بہت عمدہ اور انتہائی خوب صورت اور جاذب نظر ہے۔ "ایک طالب علم، ایک استاد" پڑھ کر میں نے ایک منصوبہ بنایا ہے کہ میں بھی ان بچّوں کو پڑھاؤں جو آج کل ایسے ہی آوارہ گردی کرتے ہیں۔ غربت اور مارٹوں کی مار سے تنگ آکر یہ بچّے پڑھنا چھوڑ کر بچپن ہی سے گیرجوں اور دکانوں پر کام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس لیے میں آپ کے پیغام پر عمل کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔ محمد اسحاق خان، ڈگری

* ہمدرد نونہال کا ہر رسالہ نصیحتوں اور خوبیوں سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ اور اس کی مانگ تو اس علاقے میں تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ سلیم الدین شیراز، معین آباد

معلوماتِ عامہ ۲۲۶ کے صحیح جوابات

ہمدرد نونہال کی مقبولیت میں جیسے جیسے اضافہ ہوتا جا رہا ہے معلوماتِ عامہ کے جوابات میں حصہ لینے والوں میں دل چسپی بڑھتی جا رہی ہے۔ ہم سے بعض نونہالوں نے شکایت کی ہے کہ ہماری تصویریں کیوں شائع نہیں کی گئیں، جب کہ ہمارے تمام جوابات درست تھے۔ بات یہ ہے جن کی عمر اچھی ہو گئی ہے یا وہ اپنی عمدہ صحت کی وجہ سے ماشاء اللہ جوان معلوم ہوتے ہیں ان کی تصویریں نونہالوں کے ساتھ کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔ اس لیے ہم ذرا تامل کرتے ہیں۔ ویسے بھی اصل چیز تو نام ہے۔ نام بہت بڑا انعام ہے۔ معلوماتِ عامہ ۲۲۶ کے صحیح جوابات یہ ہیں:

۱۔ ۱۹۸۴ء میں ان مشہور صحافیوں کا انتقال ہوا: سردار علی صابری، فیض احمد فیض، اے۔ ٹی چودھری، نازش حیدری، قیصر حسنی اور عزیز بیگ۔

۲۔ ۱۹۸۴ء کے شروع میں پاکستان کے دو صوبوں سرحد اور پنجاب میں زلزلے آئے۔

۳۔ جنوری اور فروری ۱۹۸۴ء میں مالدیپ کے صدر مامون عبد القیوم نے پاکستان کا دورہ کیا۔

۴۔ یکم اپریل ۱۹۸۴ء کو سائنس اور ٹکنالوجی کا کمیشن قائم کیا گیا۔

۵۔ جولائی ۱۹۸۴ء میں آئی۔ ایل۔ او (I.L.O.) کی رکنیت کے لیے سب سے زیادہ ووٹ پاکستان کو ملے۔

۶۔ وفاقی حکومت کے دفاتر میں ایک کے بجائے دو ہفتہ وار چھٹیوں کا اعلان ۱۵ جون ۸۴ء کو کیا گیا۔

۷۔ قانونِ شہادت کا صدارتی حکم ۲۸۔ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو جاری ہوا تھا۔

۸۔ ۱۹۸۴ء میں حیدر آباد کے قریب ٹنڈو عالم اور دابھی کے مقام پر تیل دریافت ہوا۔

۹۔ پچھلے دنوں پنجابی کے بڑے شاعر استاد دامن کا انتقال ہوا۔

۱۰۔ ۱۹۸۴ء میں پاکستان کے عالمی شہرت یافتہ شاعر فیض احمد فیض کا انتقال ہوا، جنھیں لینن امن انعام ملا تھا۔

۱۱۔ مجلسِ شوریٰ ہال میں اسلامی یک جہتی سیمینار کے پہلے اجلاس کی صدارت جناب راجا ظفر الحق نے کی تھی۔

۱۲۔ ستمبر ۱۹۸۴ء میں پاکستان کے وزیرِ خارجہ نواب زادہ یعقوب علی خاں نے نیویارک میں افغان مسئلہ پر روس کے وزیرِ خارجہ آندرے گرومیکو سے مذاکرات کیے تھے۔

بارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

سید عبد الباری عتیقی، فرحت جہاں، ایم تحسین بیگ، اسلم شاہ خان

محمد اجمل چوہدری، حافظ مسعود ذکی، لیلیٰ مسعود، ندیم اختر، شازیہ رفعت

محمد انور حسن
ثمرین شامی
محمد ارشد قریشی
نجمہ قریشی
سلمیٰ قریشی
طارق علی قریشی
فہمیدہ اکرم قریشی
نجمہ حنیف قریشی
عالیہ حیدر زیدی
سیما حیدر زیدی
اکرام حیدر زیدی
عمران حیدر زیدی
اکرام الرحمٰن قریشی
نعمان عثمان
حسان عثمان
قیصر مصطفیٰ قریشی
ظفر حیات قریشی
سعید احمد قریشی
زبیر احمد
انجم مصطفیٰ قریشی
محمد اکرم قریشی
محمد حیدر ایوب
محمد اشعر حسن

محمد اشرف ایوب
سلمیٰ پروین
فرزانہ ناز خان
سیدہ تحسین فاطمہ
نور ثنا
صفدر عظیم توقیر
محمد ذیشان بیگ
رخسانہ قمر
حنا عنبرین
حمیرا بیگ
سیدہ امین الحق حقی اطہر
مریم یوسف
حافظ محمد انیس بیگ
محمد نفیس بیگ
شازیہ بیگ
فوزیہ بیگ
فیضان مظہر
عمران مظہر
عائشہ سحر علی
زینب یوسف
سید تصور حسین شاہ بخاری
صائمہ بیگ
محمد رئیس بیگ

محمد کاشف بیگ
محمد عاطف بیگ
عظمیٰ بیگ
حافظ محمد ولی بیگ
روبینہ عالم
شائستہ وجاہت
اصفیا بیگ
انشاء اللہ چمن بیگ
صدف زہرہ علوی
حوری شہوار
ماریہ عتیق
تنظیم فاطمہ
سعدیہ بیگم عرف سعدی
سجاد احمد
محمد علی دانش
محی الدین خان محی
رحمت بیگ
محمد حنیف بیگ
محمد لیاقت بیگ
محمد شمیم بیگ
محمد اسلم بیگ
مرزا نواب بیگ
افضال المبین

حافظ محمد اکرم بیگ
ندیم جلال عامر
محمد اظہر ایوب
نثار قادری رضوی
محمد عارف
سید شمس الحق حقی عامر
رختاج دریا خان
صبا یاسمین
محمد شاہد پرویز

حیدرآباد

محمد وسیم صدیقی
تنویر احمد
ایم عرفان عزیز میمن
محمد شاہد عزیز میمن
الماس نفیس احمد
مصباح ستار
عبدالظہیر
ایم ظفر اجمیری
ایم ذاکر غلام حسین
سیدہ صبیحہ اکبر زیدی

تحصیل سنجھورو

مبارک علی خان
محمد اقبال علجی

عبدالحمید شیخ قریشی

سانگھڑ

غلام رسول پارس
محمد امین سیف الملوک

اسلام آباد

حسن بلال مرزا
ریحانہ فردوس

نواب شاہ

عزادار رضا جعفری
محسن رجب علی

روہڑی

عبدالعزیز

ٹنڈو آدم

عظمیٰ صدیقی

ٹھیری میرواہ

غلام مہدی ملاح

راولپنڈی

سرفراز درانی
محمد جنید ابراہیم، کراچی
محمد رفیق شیخ، شہداد پور
عمر حیات قریشی، کراچی
رضیہ بانو، خوشاب
احسان ظہیر احمد، ملتان

بارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

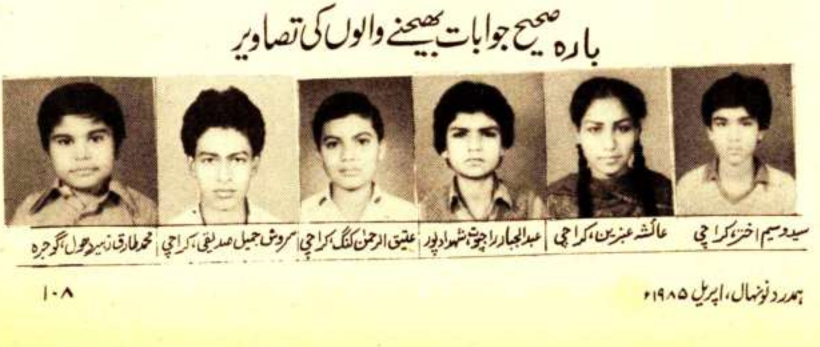

سیدہ وسیم اختر، کراچی | عائشہ عنبرین، کراچی | عبدالجبار راجپوت، شہداد پور | عتیق الرحمٰن کنگ، کراچی | سروش جمیل صدیقی، کراچی | محمد طارق زبیر ڈھول، گوجرہ

نعیم شاہ خان، کراچی
محمد سہیل ایوب، کراچی
ارم عنبرین، کراچی
محمد کاشف رضوان صدیقی، کراچی
رؤف حسن، کراچی
محمد ذیشان ایوب، کراچی

نجمہ خورشید، کراچی
رضیہ خورشید، کراچی
نیلم شمشاد خان، ٹنڈو آدم
سلیم انور عباسی، کراچی
توحید احمد، حیدر آباد
محمد اشرف یوسف، کراچی

سید اعزاز شکیل کرمانی، کراچی
جمال انور، کراچی
روحی فردوس، کراچی
سید شہود احمد، کراچی
محمد اعظم حمیدی، کراچی
سید ندیم اختر، کراچی

عدنان قمر، کراچی
افضال احمد، کراچی
سید عامر علی، کراچی
منور مسعود صدیقی، کراچی
تنویر احمد، کراچی
محمد شاہد پرویز، کراچی

برنی محمد عابد، شہداد پور
سید کاشف اقبال، کراچی
سہیل اختر حسین رضوی، کراچی
عقیل احمد انصاری، کراچی
سید شبر حسین رضوی، کراچی
ہما یونس، حیدر آباد

معجز علی نقوی، کراچی
محمد عبدالقیوم، کراچی
محمد جاوید، کراچی
محمد قاسم عبدالرزاق، کراچی
ارم صدیقی، کراچی
محمد آفتاب، کراچی

محمد طارق خان، کراچی | امیر محمد، جیکب آباد | محمد ارشد صدیقی، کراچی | فرخ توقیر، کراچی | قدیر محمد صدیقی، خیرپور میرس | محمد ظفر ایوب، کراچی

سمیع الرحمٰن حورانی، کراچی | ایم انوار اجمیری، حیدرآباد | سید شہزاد عالم، کراچی | سید نہال اظہر علی کرمانی، کراچی | جمال احمد، حیدرآباد | شاہد احمد، کراچی

حشمت جمال خان، کراچی | علی مدد شاہ، کراچی | عامر سلیم زیدی، کراچی | حبیب اللہ بلوچ، سکھر | شکیل احمد، کراچی | ممتاز احمد، کراچی

سید سرفراز حسین سکھر | ساجدہ سلطانہ، لاڑکانہ | سعید احمد، کراچی | محمد عارف یوسف، کراچی | سید مسعود حسین زیدی، ٹھری میرواہ | سید ندیم رضا، خیرپور میرس

وجیہہ الدین، کراچی | محمد عمران، حیدرآباد | عتیق احمد، کراچی | سید شرف الحق حقی حیدر، کراچی | شازیہ خان، کراچی | سید سلطان احمد، کراچی

گیارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

عائشہ احمد

شاہد اقبال شاہد

عظمیٰ اقبال

عرفان دانش

شانہ سمیع

مہرانسا

نرگس بانو

شہلا اختر حسین رضوی

سید حسین رضا شمع

ادم قریشی	کہکشاں ترنم	فیصل احمد خان	محمد رفیق	تحصیل سنجھورو
سید نعیم اختر	گلشن آرا	طاہر جاوید	غلام مصطفیٰ	محمد طاہر آرائیں
سائرہ رضا	اسد حسن	صاعقہ عشرت	محمد نجم شاہد	نواب شاہ
غزالہ امام سید	ساجدہ شمع نور	سید اختر رضا رضوی	اوتھل	محمد اعظم خان
سید کلیم الحق حقی جعفر	عابدہ صبا نور	سید خالد حسن رضوی	ندرت جہاں	حافظ محمد حنیف سدامس، باڈہ
ندرت نعیم	دانا حامد کلیم	سید امتیاز حسین	انیس احمد	ارشد نعیم ارشد، پشاور
فاطمہ ارم	عظمیٰ رؤف	حیدر آباد	سانگھڑ	سید عقیل حیدر زیدی، خیرپور میرس
مہوش	بشرہ رؤف	حفیظ الرحمٰن خان زادہ	عاجز عبدالرحمٰن رند	وسیم غوری، ٹنڈو جام
افشاں تبسم	شازیہ سلطانہ حقی	شکیل احمد	محمد اسحاق خان، ڈگری	محمد ہاشم سدامس، باڈہ
نعیم الحسین	نگہت پروین	روبی رشید	سعید الرحمٰن، حسن ابدال	محمد انجم کندل، سانگھڑ

گیارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

قاضی محمد الیاس، کراچی

سید عاطف عزیز، کراچی

سید محمد عمران رضا، کراچی

سعود میر خان، خیرپور میرس

آصف سعید، کراچی

عامر معین احمد، کراچی

سید سلیم اختر رضوی، کراچی

محمد محبوب الرحمٰن، کراچی

تسلیم بٹ، کراچی

سید محمد راشد نقوی، حیدرآباد

سہیل احمد، کراچی

شیخ محمد وسیم، کراچی

عبدالحق کھوسہ بلوچ، سکھر

اعجاز احمد صدیقی، کراچی

سید ابرار احمد قادری، کراچی

غلام مرتضیٰ، حیدرآباد

وسیم بٹ، کراچی

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

سید محمد منقوش، کراچی — کامران احمد صدیقی، کراچی — رضوان احمد صدیقی، کراچی — صدف منیف، کراچی — سید عبدالعزیز عزمی، کراچی

کراچی

ملک شہباز احمد
جمال الدین انجم
احمد جمال قادر جمالی
سید رحمت علی
محمد بادر محی الدین صمدانی
ایس۔ ایم شکیل
یاسمین عزمی

سید تنویر شوکت میر نگری
فرزانہ غفور
آصفہ بانو
فرحان ارشد
محمد ریحان
سید محمد احسن
سید وجاہت علی، شہداد پور
شاداب زہرہ علوی، کراچی

عظمیٰ یمین، حیدر آباد
بنیٰ شیریں، حیدر آباد
نیاز احمد علی، حیدر آباد
ہما جبیں، حیدر آباد
عالیہ نیاز احمد، حیدر آباد
جمیلہ رانی، شہداد پور
صبا عشرت، کراچی
شہلا عشرت، کراچی

سید اظہار الحسن گیلانی، روہڑی
اظہر حسین، روہڑی
اختر حسین، روہڑی
احسان قدیر، روہڑی
ظفر اللہ شیخ، خیرپور میرس
الطاف اللہ شیخ، خیرپور میرس
مونا بلوچ، خیرپور میرس
غزالہ منیر شیخ غزل، لاڑکانہ

شاہنواز احمد، ادیقل
قادر بخش ابڑہ، جیکب آباد
سلمان شیخ اے صمد، حیدر آباد
گوہر ولی قریشی، کراچی
حسنہ منیف، کراچی
محمد زاہد یوسف، کراچی
غزالہ عشرت، کراچی
شہلا جبیں خان، کراچی

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

انعام الٰہی محمود، کراچی

دل عزیز صدیقی، کراچی

سید مظفر رضا رضوی، کراچی

فیصل اقبال، کراچی

محمد عبدالباسط، شاہ پور چاکر

سید محمد رضا رضوی، کراچی

نشاط انور، کراچی

محمد عبدالصمد، سانگھڑ

نوشاد انور، کراچی

فاروق احمد صدیقی، کراچی

سید عسکری رضا، کراچی

شکیل احمد محبوب، مری کوٹ

شوکت علی، کراچی

عفت شباب، کراچی

عبدالرحیم بلوچ، سکھر

شعیب علیم، کراچی

محمد انتصار الدین احمد، کراچی

نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

سید محمد عمر
انیلہ تبارک

ندیم شبیر حسین خان
صفدر حسین اعوان
اُم سلمیٰ

سید کاشف محمود
سید محمد عثمان
عالیہ رحمٰن

انیش کمار، روہڑی
شاہد پرویز، روہڑی
محمد ارشد، روہڑی

مظہر حسین، روہڑی
افشاں ناز شیخ، سکھر
سید عدنان علی جعفری

ہوگا دنیا میں تو بے مثال میرے بچے میرے نونہال

فطری طور پر کوئی دو بچے اپنی شکل وصورت، عادات و اطوار اور دماغی صلاحیتوں کے اعتبار سے ایک جیسے نہیں ہوتے اور یوں ہر بچہ بے مثل کہلایا جا سکتا ہے۔ لیکن ہر ماں اپنے بچے کو انفرادی طور پر ایک تن درست، روشن دماغ اور بے مثل کامیاب انسان دیکھنا چاہتی ہے۔ اس آرزو کی تکمیل کا زیادہ تر انحصار بچے کی صحیح اور صحت مند پرورش پر ہے۔

دور اندیش مائیں اپنے بچوں کی صحت مند پرورش اور آرام وسکون کے لیے انہیں نونہال ہربل گرائپ واٹر باقاعدگی سے دیتی ہیں۔

جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ خوش ذائقہ نونہال ہربل گرائپ واٹر بچوں کی آئے دن کی تکالیف مثلاً بدہضمی، قبض، اپھارہ، قے و دست، بے خوابی، دانت آنا اور پیاس کی شدت وغیرہ کے لیے ایک مفید اور مؤثر گھریلو دوا ہے۔

Naunehal
Herbal Gripe Water

نونہال

ہربل گرائپ واٹر

بچوں کو مطمئن، مسرور اور صحت مند رکھتا ہے

مشروبِ مشرق رُوح افزا اپنے منفرد خواص کی بدولت
نظامِ حرارت و برودت میں توازن اور اعتدال پیدا کر کے گرمی کی شدت اور بے چینی سے محفوظ رکھتا ہے،
جسم و جان کو ٹھنڈک پہنچا کر پیاس بجھاتا ہے اور تسکین بخشتا ہے۔

رُوح افزا مشروبِ مشرق

ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

آوازِ اخلاق
اخلاق عملاً مذہب ہے اور مذہب اصولاً اخلاق ہے۔

Adarts HRA-5/84